سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ مسلمان بچے لاہور

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

شمارہ 10

شوال ۱۴۴۳ھ بمطابق مئی 2022ء

جلد 15

بچوں کے
اسلامی .....
اخلاقی .....
تعلیمی ..... اور
تربیتی ادب کا
ترجمان

قیمت فی شمارہ
60 روپے
سالانہ زرتعاون
720/= روپے

اپنی کہانیاں اور مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر 15 جی پی او بہاول پور

ترسیل زر اور حصول رسالہ کے لیے

مکتبہ ابن مبارک 37-حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں

عید کی سچی خوشی	آمنہ نور	10
چھوٹی ابابیلیں	سنان طلحہ	14
عید آگئی	تنزیلہ احمد	20
کیسا روزہ	تسلیمہ موسیٰ	27
طوطائی عید	محمد فیصل علی	40
وِش بک	آئمہ بخاری	49
آستین کے سانپ	ساجدہ بتول	53
عیدی	بیگم ناجیہ شعیب احمد	59
اقصیٰ کے آنسو	عمارہ جہادی	63
مجاہد	ریحانہ جہادی	65
سلطان ٹیپو شہیدؒ	عبدالحفیظ امیر پوری	67
مثالی عید	امن ارشد	74
اب کے عید منائیں گے ہم	سعدیہ محبوب الرحمان	77
یااللہ! توفیق دے	فاکہہ قمر	82

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔۔

فرمانِ باری تعالیٰ

سب چیزیں اللہ ہی کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ ہی زبردست حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ بہت ناراضگی کی چیز ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔ (الصف)

فرمانِ رسول اکرم ﷺ

حضرت ابوامامہ باہلیؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں سچا دین حنفی دے کر بھیجا گیا ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (ﷺ) کی جان ہے کہ ایک صبح یا ایک شام جہاد میں لگا دینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور تم میں سے کسی کا جہاد کی صف میں ایک گھڑی کھڑا ہونا ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ (مسند احمد)

حمدِ باری تعالیٰ

انتخاب: محمد ولید

ردائے ظلمتِ شب پل میں پھاڑ کر تو نے
نکالی گردشِ ایام کی سحر تو نے

میرا عقیدہ ہے ، ایسا ہے قادرِ مطلق
جو سنگ ریز تھے ان کو کیا گہر تو نے

جو مضطرب رکھے اس کو جگر کے ٹکڑے پر
دیا ہے ماں کو وہی عشقِ معتبر تو نے

رسولِ صادق و مصدوق و اُمّی کے ذریعے
بدل دی خیرِ مکمل سے فکرِ شر تو نے

اُٹھائی جس پہ ، اسے معرفت ملی تیری
عطاء کی بندۂ مومن کو وہ نظر تو نے

مرے کریم! ترا شکر اس عنایت پر
دیا ہے مجھ کو ضرورت کا مال و زر تو نے

ہے اعتراف کہ ساحل ہے مطمئن اس میں
دیا ہے اس کو وراثت میں ایسا گھر تو نے

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

انتخاب: بنت نصر اللہ، بہاڑپور

یہ کہتا ہے دل مجھ سے کیا چپکے چپکے
مدینے کی جانب کو جا چپکے چپکے

حبیبِ خدا کی ثناء برملا ہو
کہ حاصل ہو فضلِ خدا چپکے چپکے

صلوٰۃ و تحیہ محمدیہ پڑھ کر
انہیں کو تصور میں لا چپکے چپکے

بر آئے گی طیبہ پہنچ کر تمنا
کہ ہوتا ہے لطفِ خدا چپکے چپکے

قیامت کے دن شدت تشنگی میں
پلائیں گے پانی وہ لا چپکے چپکے

گنہگار بندوں کو روزِ قیامت
جہنم سے لیں گے بچا چپکے چپکے

خداوند ان کی شفاعت سے وارث
تری بخش دے گا خطا چپکے چپکے

ایک دعاء یاد کیجئے

اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِي وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

ترجمہ: اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اس طرح دوری ڈال دے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری ڈالی ہے۔ (البخاری)

ایک حدیث یاد کیجئے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: اَنْفِقْ یَا بْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر بندے کو اللہ کا پیغام ہے کہ اے آدم کے فرزند! تو (میرے ضرورت مند بندوں پر) اپنی کمائی خرچ کر، میں اپنے خزانے سے تجھ کو دیتا رہا ہوں گا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلسَّلامُ عَلَیکُم

آپ سب کو اور پوری امت مسلمہ کو عید مبارک!!

تقبل اللہ منا ومنکم صالح الأعمال

عید کس کی ہے؟

عید اس شخص کی ہے جس نے رمضان المبارک کی رحمتوں اور مغفرتوں کو پالیا۔ عید اس کی ہے جس نے اس رمضان المبارک میں خوب اجر سمیٹا۔ عید اس کی ہے جس نے جہنم سے نجات کا پروانہ پالیا۔ عید اس کی ہے جس نے رمضان المبارک کی قدر کی اور خوب محنت کر کے دن رات نیکیوں کی کمائی میں صرف کر ڈالے۔ عید بلاشبہ اس کی ہوئی جس نے رمضان کے دنوں کو تلاوت قرآن، تقویٰ اور ذکر سے آباد رکھا اور راتوں کو نماز اور آہ وزاری سے خود کو مشغول رکھا۔ عید تو اس کی ہوئی جس نے خود کو گناہوں سے مکمل طور پر محفوظ رکھا۔ عید تو اس کی ہوئی جس نے اللہ تعالیٰ کے اس مہمان کو راضی کر کے اپنے حق میں وکیل بنا کر رخصت کیا۔ عید کی خوشیوں کا اصل حق دار وہی ہے جس نے اس ماہ کو بدر واحد کی یاد تازہ کرتے ہوئے انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں صرف کیا۔ چنانچہ عید تو بس اسی کی ہے جس نے عید کے دن مغفرت کے اعلان کو پالیا۔

خوشیوں والی اس عید میں اپنے فلسطینی مظلوم مسلمانوں کو ہرگز ہرگز نہ بھولیں۔ دشمنانِ اسلام کو علم ہے کہ مسلمان رمضان المبارک میں خوش ہوتے ہیں، خاص اہتمام کے

آج عید ہے

سجدوں سے چاند رات سجاؤ کہ عید ہے
اُٹھو علی الصباح نہاؤ کہ عید ہے
اے دوست عیدگاہ کو آؤ کہ عید ہے
رب کے حضور سر کو جھکاؤ کہ عید ہے
خود اچھے اچھے کھانے پکاؤ کہ عید ہے
چولہا غریب کا بھی جلاؤ کہ عید ہے

مقہور مومنین کے حق میں دعاء کرو
مت اپنے بھائیوں کو بھلاؤ کہ عید ہے
مت ملنا خوشی میں گناہوں کی گندگی
اب نیکیوں کا مال کماؤ کہ عید ہے
سینے میں کینہ رکھنا خدا کو نہیں پسند
روٹھے ہوؤں کو بڑھ کے مناؤ کہ عید ہے

وسعت جو دی ہے رب نے، سویاں ، مٹھائیاں
خود کھاؤ دوسروں کو کھلاؤ کہ عید ہے
بعدِ مہِ صیام جو غفلت کا ہیں شکار
سوئے ہوئے دلوں کو جگاؤ کہ عید ہے

انتخاب: محمد ابوبکر

ساتھ یہ مہینہ گزارتے ہیں، ہر دن عید کا سماں لیے اور ہر رات شب برات کا منظر پیش کر رہی ہوتی ہے۔ عبادات کا زور ہوتا ہے اور باہمی ہمدردی اور ایثار کا ولولہ۔ اس لیے وہ کوشش کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کو سرخ خون سے نہلا دیں اور ہماری خوشیوں کو غم سے بدل دیں۔ مسجد اقصیٰ میں ظالم صہیونیوں نے مسلمانوں پر جو ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں اس سے ہر صاحب ایمان کا دل افسردہ ہے۔ انہیں اپنی دعاؤں میں خاص طور پر یاد رکھیں۔ اس عید کی خوشیوں میں شہدائے اسلام اور اسیران اسلام کے گھر والوں کو بھی ضرور یاد رکھیں۔ ان کے ساتھ خوشیاں بانٹیں جتنا ہو سکے ان کی دلجوئی کا سامان کریں۔ اس کا عظیم اجر ہے۔

ایک بات کا خاص خیال رکھیں کہ ہمارے ہاں آج کل عید کو آزادی کا دن سمجھ کر بعض لوگ ہر طرح کی خرافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، عید کے چاند کا اعلان ہوتے ہی واقعتہً ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شیطان کُھل چکا ہے۔ چنانچہ جشن عید کے نام پر ہر وہ کام کیا جاتا ہے جس کی عام دنوں میں بھی اجازت نہیں ہے چہ جائیکہ وہ کام عید کی رات یا عید کے دن کئے جائیں۔ اس سے حتی الامکان پرہیز کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو!

ابو محمد عروہ

اس ایک مہینے میں پورے سال کے مقابلے میں اتنی رحمتیں نازل ہوتی ہیں کہ گویا ایک قطرہ کے مقابلے میں سمندر

عید کی سچّی خوشی

آمنہ نور

''بلال!! رکو بلال!! کہاں بھاگ رہے ہو؟ کب سے آوازیں دے رہا ہوں'' بھاگ کر آنے کی وجہ سے کاشف کی سانس پھول گئی تھی۔

''اوہ!! معاف کرنا میں نے سنا نہیں، تم کچھ کہہ رہے تھے'' بلال نے چونک کر اس کو دیکھا اور کہا:

''وہ میری سائنس کی کتاب نہیں مل رہی ہے۔ اگر تم اپنی کتاب دے دو تو میں کام مکمل کر کے کتاب کل تمہیں لوٹا دوں گا'' کاشف نے ہاتھ میں پکڑی پیپسی کی بوتل سے گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نے آج پھر روزہ نہیں رکھا؟'' بلال نے اسے ناگواری سے دیکھا اور کہا۔

''یار! کچھ ہی دن تو رہ گئے ہیں عید میں تو آج عید کی شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ اس لئے'' کاشف نے سر کھجاتے ہوئے انکار کیا اور ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''چلو آؤ! مسجد چلتے ہیں۔ نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ پہلے نماز ادا کرلیں پھر بات کرتے ہیں'' بلال گھڑی دیکھتے ہوئے بولا۔

''تم جاؤ! میں بعد میں پڑھ لوں گا۔ ابھی تو بہت تھکا ہوا ہوں'' کاشف منہ بناتے ہوئے بولا۔

''لیکن !!!'' بلال نے کچھ کہنا چاہا تو کاشف نے بیزاری سے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روکا۔

''پلیز بلال! ابھی کوئی لیکچر نہیں۔ تم نماز پڑھ لو شام کو ملتے ہیں'' اور ہیڈفونز کانوں میں ٹھونس کر جھومتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

بلال تاسف سے اسے دیکھتا رہ گیا اور مسجد کی طرف مڑ گیا۔

****

بلال آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا۔ اس کے دو

بھائی عمر، علی اور ایک بہن طیبہ تھی۔اس کا گھرانہ بہت دیندار تھا۔اس کے دادا عالم اور مسجد کے امام تھے۔اس لئے بلال اور اس کے بہن بھائی بچپن سے ہی نماز اور روزہ کی پابندی کرتے ہوئے بڑے ہوئے تھے۔

****

''دادا ابو! آپ کو پتہ ہے آج ہمارے اسکول میں زبردست قسم کی لڑائی ہوئی تھی'' طیبہ نے دادا ابو کو آج صبح اسکول میں ہونے والی لڑائی کے بارے میں بتایا۔

''کیوں؟'' دادا ابو سے پہلے علی نے سوال کیا

وہ چاروں بچے روزانہ رات کو دادا ابو کے کمرے میں آ کر اپنے دن بھر کی روداد سناتے اور دادا ابو سے کوئی نا کوئی اچھی اور نئی بات جانتے۔

''دراصل ہماری کلاس کی ایک لڑکی آج سب کے سامنے بریک ٹائم میں لنچ کھول کر کھانے لگی، تو اس پر فائقہ جو میری سہیلی ہے اس نے اس سے کہا کہ رمضان کے روزے کیوں نہیں رکھتی ہو؟ تو اس نے کہا کہ میری طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور عید میں مجھے فریش نظر آنا ہے۔''

''واہ! یعنی روزہ نہیں رکھنا اور عید جو روزے داروں کو انعام کے طور پر خوشی منانے کا دن دیا گیا ہے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا ہے'' ایک دوسری لڑکی نے اس سے کہا۔

تو وہ بھی آگے سے بدتمیزی کرنے لگی اور اچھا خاصا تماشا لگ گیا۔ پھر ٹیچر نے آ کر بچاؤ کروایا۔'' دادا ابو نے غور سے طیبہ کی بات سنی اور کہنے لگے۔

''بس بیٹا! یہ سب دین اور قرآن سے دوری کے اسباب ہیں۔اگر والدین اپنی اولاد کو دنیا کے ساتھ دین کے بارے میں بھی آگاہی دیں تو بہت سی برائیاں ختم ہو جائیں گی۔

اور جہاں تک بات ہے طبیعت خرابی کی تو بیٹا! روزے کے تو صحت کے اعتبار سے بے شمار فائدے ہیں۔میں آپ کو ایک مشہور واقعہ سناتا ہوں ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ ہارون الرشید کا زمانہ تھا، ایک عیسائی پادری ان کے پاس آیا جو معالج اور حکیم بھی تھا۔

اس نے کہا کہ میں دین کا علم بھی جانتا ہوں اور حکمت کا علم بھی اور تم لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن میں زندگی گزارنے کے تمام اصول ہیں۔کیا قرآن میں صحت کے حوالے سے بھی کوئی اصول ہے؟

تو ہارون الرشید نے وہاں بیٹھے علماء سے کہا کہ ان کو جواب دے۔تو ایک عالم جن کا نام ''علی بن حسین'' ہے، وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بالکل قرآن میں جسمانی صحت کے حوالے سے بڑا زبردست اصول ہے۔

قرآن پاک میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا ہے:

''وکلوا واشربوا ولا تسرفوا''

اور کھاؤ، پیو اور اسراف نہ کرو (الاعراف)

یعنی ضرورت سے زیادہ نہ کھاؤ اور بچو! یہ جو کم کھانے کا اصول ہے یہ جسمانی صحت کے لیے اتنا بہترین ہے کہ جو اس پر عمل کرے زندگی میں بیمار ہونے کا چانس بہت کم ہو جائے گا۔

وہ عیسائی کہنے لگا، میں ایک حکیم ہوں اور میں یہ تسلیم

کرتا ہوں کہ یہ ایک بہترین اصول ہے اور جو بات آج سائنس کہہ رہی ہے۔ وہ چودہ سو سال پہلے قرآن کہہ چکا ہے۔

تو جب ہم روزہ رکھتے ہیں تو ہمارے کھانے کی ترتیب بن جاتی ہے۔ ورنہ تو دن میں تین تین وقت کھانا اور چائے کے ساتھ نجانے کیا کچھ کھایا جارہا ہوتا ہے۔ اب جانوروں کے بارے میں سنو! مگر مچھ اتنا طاقتور جانور ہے کہ اگر وہ شیر کی ٹانگ منہ میں لے لے تو ٹانگ تو ٹوٹ سکتی ہے لیکن شیر خود کو اس سے نہیں بچا سکتا۔ وہ بھی چوبیس گھنٹے میں ایک کلو گرام ہی کھاتا ہے۔

اور ہمارا تو صرف ایک دوپہر کا کھانا ہی دو کلو گرام ہوتا ہے اور شیر جنگل کا بادشاہ اس کو جو لوگ پالتے ہیں ان سے پوچھا گیا تو شیر کو پورے ہفتے میں ایک مرتبہ گوشت دیا جاتا ہے۔ روزہ کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ بدن کو خوراک کم ملتی ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو معدہ میں خوراک کم ہونے کی وجہ سے جسم (فیٹس) یعنی چربی کو بطور شوگر کھانا شروع کر دیتا ہے اور چربی آہستہ آہستہ پگھلنے لگتی ہے اور انسان کا جسم سمارٹ ہو جاتا ہے۔ روزہ کا یہ ایک مہینہ اللہ پاک نے ہمارے جسم کی صلاحیت کے مطابق ہمیں دیا ہے۔ جس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔

اور عید تو واقعی اللہ پاک کی طرف سے ہم مسلمانوں کے لیے دنیاوی انعام ہے۔ باقی انعامات تو بے شمار اور بے حساب ہیں۔"

بلال جو کہ بہت دھیان سے دادا ابو کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کو آج دوپہر کاشف کے ساتھ ہونے والی ملاقات یاد آئی تو اس نے دادا ابو کو سب کچھ من وعن بتا دیا۔

دادا ابو نے بلال کی پوری بات سنی اور کہنے لگے:

"میرے بچو!

قرآن پاک میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں کہ (اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بنو) یہ سورہ البقرہ کی آیت ہے۔ تو بچوں اس آیت میں صاف بتایا گیا ہے کہ روزہ ہم سے پہلی قوموں پر بھی فرض کیا گیا تھا اور یہ ہم پر کوئی ظلم نہیں ہے بلکہ روزہ رکھنے کی فضیلت بھی بتا دی تاکہ تم پرہیز گار بنو تو روزہ رکھنا یہ نہیں ہے کہ صرف خالی پیٹ رہو اور دن بھر کچھ نہ کھاؤ اور افطار پارٹی کر کے مزے کرو۔

نہیں روزہ تو یہ ہے کہ آپ دن بھر چھوٹے بڑے گناہوں سے اپنی حفاظت کریں۔ رات کو عبادت کریں۔ اس ایک مہینے کو پورے سال کا دل کہا گیا ہے۔ اس ایک مہینے میں پورے سال کے مقابلے میں اتنی رحمتیں نازل ہوتی ہیں کہ گویا ایک قطرہ کے مقابلے میں سمندر۔ روزہ خالص اللہ کی رضا کے لئے رکھو!

پیارے بچو!

اللہ کے حکم سے پانچ دن بعد عید ہے اور اپنے لئے تو ہر کوئی اچھا سوچتا ہے۔ اصل مزا تو تب ہے جب آپ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی نیکی کے سیدھے راستے پر لانے کا سبب بنے۔

آج جو باتیں آپ نے سنی ہے۔ سب سے پہلے اس

پر خود عمل کرنا ہے اور پھر آپ نے آگے اپنے دوستوں کو بتانی ہے تاکہ عید کی سچی خوشیاں سب مل کر منائیں اور جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''خیر کم من تعلم القرآن وعلمه'' تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

''ان شاءاللہ دادا ابو!'' سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

دادا ابو مسکرا دیئے۔

****

''دیکھیں دادا ابو! کون آیا ہے آپ سے عید ملنے؟''

دادا ابو بیٹھک میں بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے سارے مہمان عید مل کر چلے گئے تھے۔

بلال کی آواز سن کر انہوں نے کتاب میز پر رکھ کر اوپر دیکھا اور خوش ہو کر بولے:

''ارے کاشف! آؤ بیٹے!''

''السلام علیکم امام صاحب!

عید مبارک''

''وعلیکم السلام! خیر مبارک خیر مبارک''

دادا ابو نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔ آپ کے والد صاحب تو صبح ہی ملنے آگئے تھے اور سناؤ! روزے تراویح کیسے گزرے؟''

کاشف نے شرمندگی سے سر جھکا دیا۔

''امام صاحب! میں تو بہت غفلت میں تھا۔ مگر بلال نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کل سے میں بھی آپ کے پاس آ کر قرآن پاک کا ترجمہ

دو دعائیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

دو دعائیں ایسی ہیں کہ ان کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا

مظلوم کی دعاء اور کسی شخص کی اپنے بھائی کے لئے اس کی غیر موجودگی میں کی گئی دعاء۔

بنت نور احمد

سیکھوں۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو؟''

دادا ابو نے حیرت سے بلال کی طرف دیکھا تو اس نے ہنستے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! آپ جب بھی آئیں۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' دادا ابو بہت زیادہ خوش ہوئے۔

''شکریہ امام صاحب! ان شاءاللہ اب میں بھی اگلے سال کی عید پر فخر سے سر اُٹھا کر آپ کو اس سوال کا جواب دے سکوں گا کہ میرے روزے اور تراویح کیسے گزرے؟''

''ہاہاہا!!!!''

بلال اور کاشف نے قہقہہ لگایا تو دادا ابو نے بھی ان کا ساتھ دیا۔

****

ابابیلیں چھوٹی

سنان طلحہ

گولیوں کی تھرتھراہٹ سے جنگل گونج رہا تھا مسلسل اندھا دھند فائر کیا جا رہا تھا۔ مگر ایسا لگتا تھا کہ ٹارگٹ کا صحیح تعین نہیں ہے۔ کبھی جنگل کے ایک حصہ میں فائر زیادہ شروع ہو جاتا اور کبھی دوسرے حصے میں اور یہ صورتحال جنگل میں موجود ہائیڈ نما غار میں اللہ کے چار شیر جانبازوں کیلئے قدرے مناسب تو تھی مگر زیادہ وقت کیلئے نہیں کیونکہ کسی لمحے دشمن ان کے قریب آسکتا تھا۔

کمانڈر ارقم افطار کے بعد مصلے پر موجود تھے جب پہلا فائر ہوا اور ساتھ ہی منصور کی آواز گونجی تھی۔

”جنت سے بلاوا آگیا اب سوکھی روٹیاں نہیں بلکہ جنت کے مزیدار پھلوں سے سحر و افطار ہوگی“

اور سجاد نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا ”ناشکرا“ اور ساتھ ہی پوری غار قہقہوں سے گونج اُٹھی۔

اسی اثناء میں کمانڈر کے حکم پر پوزیشنیں سنبھال لی گئیں۔

”آج تو ان شاءاللہ ڈٹ کر مقابلہ ہوگا۔ ان بدمست ہاتھیوں کو بتائیں گے کہ اللہ کی ابابیلوں میں کتنی طاقت ہے“ مقصود نے جذبہ

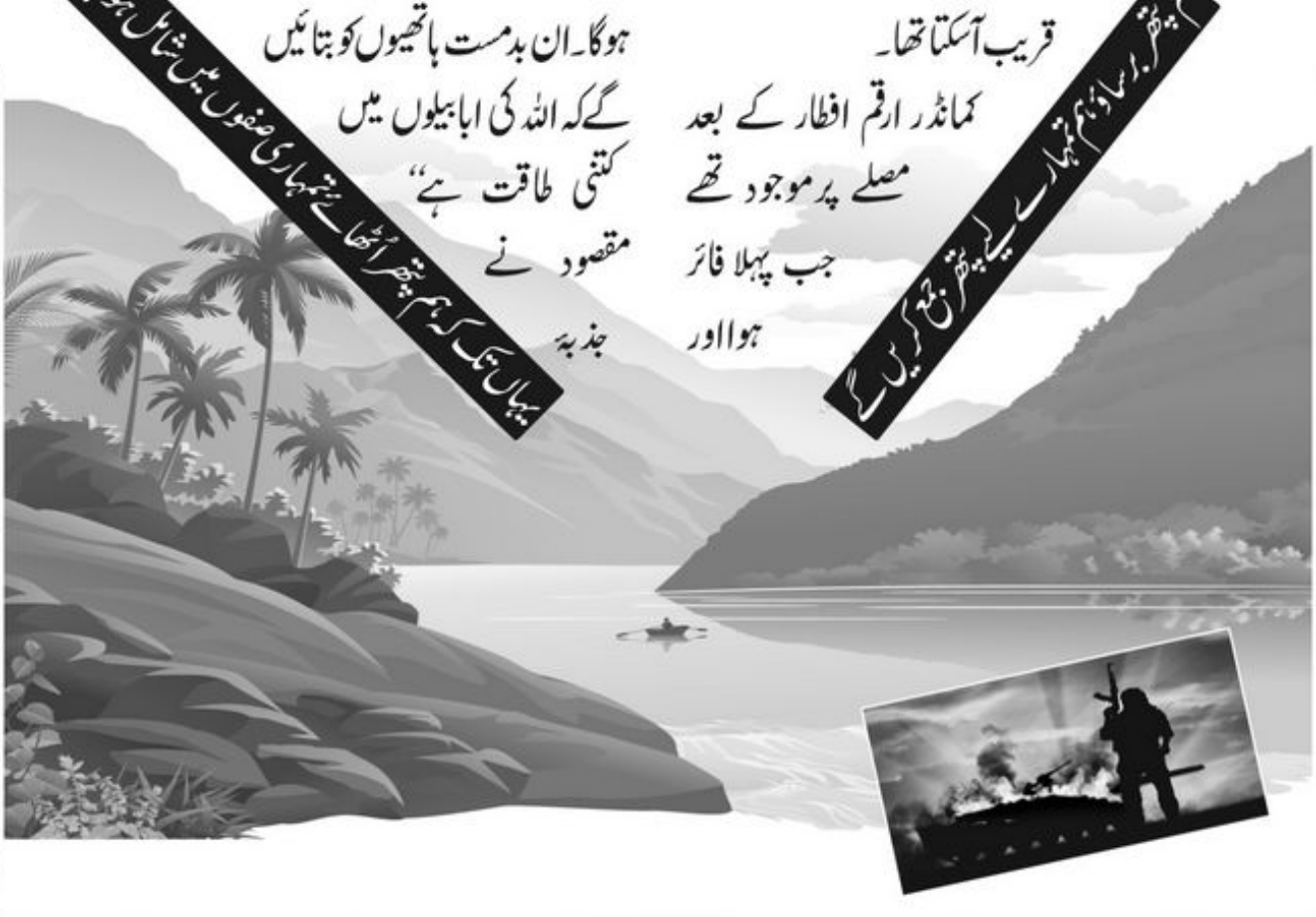

ایمانی سے سرشار لہجے میں کہا اور سب دشمن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

****

رمضان المبارک کی آمد آمد تھی ہر پہر خوشیوں کا سماں تھا۔ مسجدیں مہک رہی تھیں نمازیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ گھروں میں خواتین اور چھوٹی بچیوں کا ذوق و شوق دیکھنے لائق تھا۔ ننھی پری عائشہ نے گھر کو چمکانے میں اپنی امی جان کا پورا پورا ساتھ دیا اور وہ اب اپنی چھوٹی سی جائے نماز لیئے تراویح کی منتظر تھی تو دوسری طرف احمد بھی چھوٹی بہن سے کسی صورت کم نہ تھا وہ بھی ابو جان کے ساتھ مسجد جانے کو تیار تھا بلکہ اسکی خوشی تو اس بار دیدنی تھی کہ اسکو پندرہ روزے رکھنے کی اجازت تھی۔

وہ اس بات پر آتے جاتے عائشہ کو چڑانا مقدس فریضہ سمجھتا تھا کہ اسکو عائشہ سے پانچ روزے زیادہ رکھنے کی اجازت ہے۔ لیکن وہ عائشہ ہی کیا جو چڑ جائے وہ بھی فٹاک سے جواب دیتی۔

''جب میں تمہارے جتنی ہو جاؤں گی تو بیس رکھوں گی۔''

ان کے اس جھگڑے کو دیکھ کر ان کے والدین محظوظ ہو رہے تھے اور شکر ادا کر رہے تھے کہ اللہ رب العزت نے انکی اولاد میں یہ عظیم جزبہ پیدا کیا۔ بالآخر عشاء کا وقت ہوا اور احمد نے اپنے والد محترم کے ساتھ مسجد کا رخ کیا۔

احمد تو اپنے دوستوں کے ساتھ پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا اور اس کے ابو اگلی صف کی طرف بڑھ گئے۔ تراویح کے بعد ایک خوبصورت نوجوان کھڑا ہوا جسکی لمبی لمبی زلفیں تھیں چہرے پر نور کے ساتھ ایک درد تھا جس درد کو بیان کرنے وہ کھڑا ہوا تھا۔ وہ کہنے لگا:

''میں مظلوموں کا نمائندہ بن کر آپ کے سامنے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ میں ان ابابیلوں کا نمائندہ ہوں جو اپنے پروں میں چھوٹے چھوٹے کنکر لیے اس وقت کے ظالم و جابر بدمست کفار کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

میں سپاہی ہوں 313 افراد کے اس لشکر کا جو آقائے نامدار ﷺ کی قیادت میں دین اسلام کو پوری دنیا پر نافذ کرنے کیلئے نکلا تھا۔

جی ہاں! آج میں آپ کو ان مسلمانوں کی صدا سنانے آیا ہوں جو القدس کی دیواروں کے سامنے صلاح الدین ایوبی کو پکارتے ہیں۔

میں کشمیر کی اس بیٹی کا پیغام لایا ہوں جس کی عزت کفار کے ہاتھوں تار تار ہو چکی وہ پکارتی ہے کیا اس اُمت میں کوئی معتصم باللہ ہے؟ جو ابلق گھوڑوں پر سوار ہو کر میری پشت پناہی کو آئے۔

وہ دیکھو! مسلمانو! عافیہ پکارتی ہے کیا کوئی غیرت مند ہے جو محمد بن قاسم کی یاد تازہ کر دے۔ مسلمانو! بابری مسجد کسی غزنوی اور ٹیپو کے انتظار میں آج بھی سسک رہی ہے۔ آج ہر طرف مظلوم مسلمانوں کے خون کی ندیا بہائی جا رہی ہیں۔ کوئی بھی مسلمانوں کو تحفظ فراہم نہیں کر رہا اور نا ہی کسی کو کرنے دے رہا ہے۔

کفار مسلمانوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں اور اس کی اصل وجہ مسلمانوں کی جہاد جیسے عظیم فریضے سے دوری

ہے۔'' اس شخص کے لہجے میں کیا درد تھا کہ پوری مسجد سسکیوں سے گونج اُٹھی۔ وہ کہنے لگا:

''مسلمانو! اگر ہمیں اپنی شان و شوکت کو واپس لانا ہے تو ہمیں آقا مدنی ﷺ کی تلوار کو تھامنا ہوگا ہمیں دوبارہ جذبہ جہاد کو اپنے سینوں میں اُجاگر کرنا ہوگا ہمیں شہادت کی تڑپ پیدا کرنی ہوگی ہمیں قربانی کیلئے اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا پھر خواہ وہ قربانی جان کی ہو مال کی ہو اولاد کی ہو یا وقت کی قطرے قطرے سے دریا بنتا ہے۔ بارش کا پہلا قطرہ گر چکا۔ قربانیوں کی پہلی کھیپ قبول ہوئی اور اس کے بدلے ہمیں امارت اسلامیہ افغانستان جیسی عظیم نعمت نصیب ہوئی۔ مگر قافلہ رکا نہیں ہے۔ ابابیلوں کا قافلہ رواں دواں ہے۔ ابھی تو عشق کے امتحاں اور بھی ہیں۔

آپ بھی ابابیلوں کے اس قافلے کے راہی بن سکتے ہیں۔ اپنی دعاؤں کے ذریعے اپنی جان و مال کے ذریعے۔ یاد رکھیے! ہمیں خود آگے بڑھنا ہوگا دنیا کے نقشے میں جس جس خطے پر مسلمانوں نے حکومت کی وہ خطہ مسلمانوں کا ہے۔ ہمیں ہر صورت وہ حاصل کرنا ہوگا۔ اور ان شاءاللہ ہم اس کو حاصل کریں گے اگرچہ ہمیں ایک ایک پتھر پھینک کر کیوں نا مقابلہ کرنا پڑے۔

ہم مسلمان ہیں ہم نے نہ جھکنا سیکھا ہے نہ رکنا سیکھا ہے۔ یہ دین سارے عالم کا دین ہے اور اس دین کو سارے عالم پر نافذ ہونا ہے۔ ہمارا یہ مشن نسل در نسل جاری رہے گا اور ایک دن کرہ ارض پر صرف ایک پرچم لہرائے گا اور اس پرچم پر رقم ہوگا:

''لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ''

وہ اپنی بات مکمل کر چکا تھا مگر کتنے ہی اذھان تھے جنکو اس نے جھنجھوڑ دیا تھا۔

احمد جب مسجد جا رہا تھا تو وہ احمد تھا مگر جب وہ گھر کی طرف واپس آرہا تھا تو وہ اسلام کا سپاہی تھا۔ جس کے ذھن میں صرف ایک بات گونج رہی تھی۔

یہ دین سارے عالم کا دین ہے اور اس کو سارے عالم پر نافذ ہونا ہے۔

****

احمد گھر میں داخل ہوا تو تفکرات میں ڈوبا ہوا تھا۔ عائشہ کے پوچھنے پر اس نے آج کی ساری روئیداد اس کو سنائی اور بتایا کہ میں بڑا ہو کر مجاہد بنوں گا اور جب تک میں مجاہد نہیں بن جاتا مجاہدین کی مدد کروں گا۔

اب دونوں ننھے مجاہد سر جوڑ کر بیٹھ گئے کہ مجاہدین کی مدد کیسے کی جائے۔ جب کچھ سمجھ نا آیا تو یہ مسئلہ امی جان کی عدالت عظمیٰ میں پیش کیا گیا جب انہوں نے مسئلے کا حل بتایا تو دونوں کے چہرے مسکراہٹ سے کھل اٹھے اور دونوں نے یک زبان نعرہ لگایا ہم کر کے رہیں گے۔

****

گولیوں کی تھرتھراہٹ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ مجاہدین کی طرف سے بھی وقفے وقفے سے جگہیں بدل بدل کر راؤنڈز فائر کیئے جا رہے تھے۔

چاروں مجاہدین استقامت کی مضبوط چٹان بنے برسر پیکار تھے۔ کمانڈر ارقم پچھلے کئی گھنٹوں سے وائرلیس سیٹ پر آوازیں لگا رہے تھے مگر ہیڈکوارٹر کی طرف سے کوئی

جواب نہیں مل رہا تھا شاید سگنل کا معاملہ تھا۔

''کمانڈر! امونیشن کم ہے محاصرہ سخت ہے'' اسی اثناء میں مقصود کی آواز آئی۔

کمانڈر نے ان کو احتیاط سے فائر کرنے کا حکم دیا۔ محاصرہ توڑنے کا کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ کمانڈر نے ہاتھ اٹھائے:

''ربا! مدد فرما دیجئے! جیسے آپ نے بدر میں مدد فرمائی جیسے آپ نے احد، احزاب، وحنین میں مدد فرمائی''

دائرہ تنگ ہو رہا تھا۔ چاروں اب قریب قریب پوزیشنوں پر تھے۔ اچانک منصور کی مترنم آواز آئی۔

میرے ایمان کے ساتھی تمہیں تو یاد ہی ہوگا
اک ایسے دیس کی ساتھ ہی دعائیں ہم نے مانگی تھی
جہاں ظلمت نہ ہو کوئی جہاں جگنو چمکتے ہوں

اگلا شعر سجاد نے پڑھا۔

جہاں آرام تکیے ہوں جہاں عزت کی مسند ہو
جہاں عزت کے سائے ہوں جہاں سونے کے کنگن ہوں

اگلی باری مقصود کی تھی۔

جہاں حوروں کی بستی ہو جہاں سونے کے کاسے ہوں
جہاں ہر چیز سستی ہو میرے ایمان کے ساتھی

اور کمانڈر سمیت سب یک زبان ہو کر گولیوں کی بوچھاڑ میں گنگنانے لگے:

میرے ایمان کے ساتھی تمہیں تو یاد ہی ہوگا
لڑوں گا میں رسالہ میں رہو گے تم میسرہ میں
کبھی اپنی کلاشنکوف کے جوہر دکھاؤ گے
کبھی میداں میں اپنے ہاتھ سے پرچم اڑاؤ گے
اندھیری رات گر آئی تو سر مشعل بناؤ گے
جگر کو آزماؤ گے جوانی کو جلاؤ گے
اسی کی راہ میں اے جان من جاں کو جلاؤ گے
میرے ایمان کے ساتھی تمہیں تو یاد ہی ہوگا

وہ چاروں اس خوبصورت وفا سے مزین ترانے میں گم تھے اور ساتھ ساتھ راؤنڈز بھی فائر کر رہے تھے کہ اچانک مقصود کی ٹانگ میں گولی لگی اور اللہ اکبر کہتے ہوئے وہ زمین پر لیٹ گیا۔

''سجاد! کور فائر!'' کمانڈر چیختا ہوا مقصود کے پاس پہنچا۔

''میرے شیر! تمہیں کچھ نہیں ہوگا'' کمانڈر نے اس کو گھسیٹ کر اوٹ میں کیا اور اپنی ران کا تکیہ بنا کر مقصود کا سر اپنی گود میں رکھا۔ ایک آنسو کمانڈر کی آنکھ سے نکلا۔

''کمانڈر! آپ رو رہے ہیں ہم جیسی اور کتنی ابابیلیں اپنی جان ہتھیلیوں پر لیئے گھوم رہے ہیں۔

کمانڈر! ہم کامیاب ہوں گے۔ ہاں! ہم ہی سرخرو ہوں گے۔ ہمارا خون رائگاں نہیں جائے گا۔ ان شاء اللہ''

کمانڈر اس دوران اپنی قمیص پھاڑ کر پٹی بنا چکا تھا۔

''میرے شیر! ہم ساتھ لڑیں گے۔ میرے ایمان کے ساتھی! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے'' کمانڈر نے اس کا سر زمین پر رکھا اور اس کی پٹی کرنے لگا کہ اس وقت یہی میسر تھا۔

''کمانڈر! آخری راؤنڈ لیکن ہم ہار نہیں مانیں گے

آخری سانس تک لڑیں گے۔ ہمارے پاس ایمونیشن ختم ہوگیا تو ہم پتھروں اور لاٹھیوں سے لڑنے سے دریغ نہیں کریں گے۔ اگر پتھر اور لاٹھیاں بھی میسر نا ہوئی تو ہمارا ایمان اتنا مضبوط ہے کہ ہم اپنے ایمان کے سہارے کفار کے قلعے کفار کے سروں پر گراں دیں گے۔'' سجاد کی آواز آئی۔ ابھی اس کی تقریر جاری تھی کہ اچانک فضاء ''اللہ اکبر'' کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔

''کمک'' ایک دم ہی سب کی زبان سے نکلا اور چاروں کے چہرے یک دم کھل اٹھے۔ جتنے راؤنڈز بچے تھے انکو پوزیشنز بدل بدل کے فائر کرنے لگے۔ دشمن کو جب کمک کا احساس ہوا تو اس نے دم دبا کر بھاگنے والی کی۔ دشمن کے پاس سب کچھ تھا سوائے ایمان کے اور ابابیلوں کے پاس کچھ نہیں تھا سوائے ایمان کے۔ ایمان غالب آگیا کفار رسوا ہو گئے۔

****

کمک کیلئے آنے والے کمانڈر افغانی نے جو دوسرے علاقے میں موجود تھا۔ اس کو جاسوسوں کی ذریعے فائرنگ کی خبر ملی۔ تو وہ ارقم کی مدد کیلئے آیا۔

مقصود کو دستی سٹریچر پر لٹا دیا۔ وہ خون کی کمی کی وجہ سے بیہوش ہو چکا تھا۔ ان کے پاس ابتدائی طبی امداد کا کچھ سامان تھا۔ اسمیں سے مقصود کو چند انجکشن لگائے گئے تو اسکو کچھ ہوش آیا۔ سجاد اسکا چہرہ تھپتھپا رہا تھا۔

'' اٹھ جاؤ مقصود! اب میں تمہیں کبھی تنگ نہیں کرونگا۔ دیکھو! ہم نے ساتھ جنت میں جانے کا وعدہ کیا تھا۔ تم ایسے اکیلے کیسے جاسکتے ہو؟'' سجاد خود کلامی کے انداز میں کہے جا رہا تھا۔

مقصود نے اچانک اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں بھائی! ادھر ہی ہوں تم کہاں جانے دیتے ہو اچھا بھلا جنت میں پہنچنے والا تھا پیچھے سے آوازیں دے دے کر مجھے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔'' اس انداز پر سب مسکرا اٹھے۔

سجاد نے آگے بڑھ کر فرط جذبات میں مقصود کو گلے لگایا تو مقصود نے ہولناک چیخ ماری۔

''ہائے رے! میری ٹانگ''

سجاد یک دم پیچھے ہٹا۔ ساتھ ہی مقصود کا قہقہہ ایک بار پھر گونج اٹھا۔ سجاد شرمندگی سے جھنجھلا گیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔

''ایک بار ٹھیک ہو جاؤ پھر بتاتا ہوں۔''

اس دوران کمانڈر افغانی نے اپنے بیگ سے چند پیکٹ نکال کر ان کی طرف بڑھائے کہ یہ دیکھو! اس سے آپ لوگوں کی تھکاوٹ دور ہوگی۔

مقصود نے ایک پیکٹ کھولا تو اس میں ایک سوٹ ایک پیارا سا رومال اور کچھ کھجوریں اور پیسے تھے اور ساتھ ہی ایک پرچی تھی جس پر لکھا تھا۔

''گھروں سے دور کہساروں پر برسر پیکار اپنے مجاہد بھائی کیلئے عید کے پرمسرت موقع پر چھوٹی سی ابابیل بہن کی طرف سے ہدیہ محبت۔

اے بھائی! سلامت رہو! عزتوں کی حفاظت اور عزمتوں کی بلندیوں کی خاطر۔''

ایک پیکٹ کمانڈر ارقم نے کھولا۔ اس میں بھی مختلف

چیزیں تھی جو احمد اور عائشہ نے اپنی امی کے مشورے سے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر خریدیں تھی۔ وہ دونوں اپنے دوستوں اور رشتے داروں کے پاس جا کر ان کو دعوت دیتے اور کہتے۔

''آپ کا مال ان کے لیئے جن کی جانیں اللہ کیلئے''

پھر انہوں نے جو کچھ جمع ہوا اس کے پیکٹ بنائے اور اس میں ایک پرچی ڈالی جو انہوں نے اپنی امی سے لکھوائی جس پر رقم تھا:

اے ابابیلو! تم پتھر برساؤ ہم تمہارے لیے پتھر جمع کریں گے یہاں تک کہ ہم پتھر اُٹھائے تمہاری صفوں میں شامل ہو جائیں۔

چھوٹی ابابیلیں

یہ پڑھ کر کمانڈر ارقم آبدیدہ ہو گئے جب تک ان جیسی ابابیلیں ہماری پشت پر ہیں ہمیں دنیا کی کوئی طاقت اپنے مشن سے پیچھے نہیں ہٹا سکتی۔ کمانڈر افغانی کے کہنے پر انہوں نے سب کچھ سمیٹا اور ابابیلیں کسی دوسرے ٹھکانے پر پرواز کر گئیں ایک نئے عزم اور ولولے کے ساتھ کہ چھوٹی ابابیلیں ان کے لیئے پتھر جمع کر رہی ہیں۔

****

پیارے مسلمان بچو! آپ بھی احمد اور عائشہ کی طرح چھوٹی ابابیلیں بننے کا عزم کیجئے آپ بھی احمد کی طرح پوری دنیا پر ''لاالہ الااللہ'' کا پرچم لہرانے کا ارادہ کیجئے آپ ہی میں سے کوئی صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، ٹیپو سلطان اور سلطان محمد فاتح ہو گا۔ ان شاء اللہ

عزم شرط ہے راستے اللہ رب العزت بنائیں گے۔

****

سکون کہاں تلاش کریں؟

بشریٰ ریاض

کلاس پڑھانے کے دوران جب پین کی ضرورت پڑی تو جیبیں ٹٹولیں، چیئر سے کھڑا ہوا، دائیں بائیں دیکھا، سٹوڈنٹس نے پورا کمرہ چھان مارا مگر پین تھا کہ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ خیر کسی سے عاریتاً پین لیا اور اُس سے اپنا کام لیا چھٹی کے وقت آفس سے ہوتا ہوا رخصت ہونے لگا تو اچانک نظر پڑی تو پین اُس چیئر کے نیچے پڑا تھا جہاں صبح آتے ہوئے آفس میں جس پہ بیٹھ کر رجسٹر پہ حاضری لگائی تھی۔

صاحب! گمشدہ کو وہیں تلاش کرنا چاہئے جہاں وہ چیز گم ہوئی ہو، دوسری جگہ چھان ماریں گمشدہ چیز وہاں نہیں ملے گی۔ سکون و اطمینان آج گم ہو چکا ہے ہم اِس کو پیسوں میں، پراپرٹی میں، بینک بیلنس میں، عہدہ و منصب میں تلاش کر رہے ہیں۔ ساری زندگی بیت جائے گی مگر سکون نہیں ملے گا۔ کیوں کہ سکون تو ذکر اللہ کے مجالس میں ہے اِن مجالس کو چھوڑ کر دنیا کی جن چیزوں میں بھی سکون تلاش کریں گے تو سکون نہیں ملے گا...!!!

رمضان المبارک کے آخری عشرے کی اختتامی ساعتیں تھیں۔ بڑے ماہ مبارک سے فیض یاب ہونے کی تگ و دو میں لگے تھے تو بچوں کے دل و دماغ پر عید کی تیاریاں سوار تھیں

عید آگئی

تنزیلہ احمد

”ہائے بہت تھک گئی۔ آج تو مجھے بہت روزہ لگ رہا ہے۔ ہائے اللہ حلق سوکھ رہا ہے۔“ گھر میں داخل ہوتے ہی صبا کی نقاہت سے لبریز آواز ہر سو گونجنے لگی تھی۔ جیسے جیسے روزے اختتام کی جانب بڑھ رہے تھے ویسے ویسے اس کی دہائیاں اور ہائے ہائے شدت اختیار کرتی جارہی تھی۔

”السلام علیکم امی جان!“ عثمان نے آہستگی سے کہا۔ دونوں بہن بھائی اکٹھے اسکول سے لوٹے تھے۔

”وعلیکم السلام بچے! توبہ ہے صبا کیا بچوں کی طرح شور مچارہی ہو“ ثریا بیگم نے اپنی چودہ سالہ بیٹی کو گھرکا جو جماعت ہشتم کی طالبہ تھی۔

”امی جان! میں ابھی بچی ہی ہوں، کون سا بوڑھی ہو گئی ہوں۔“

”بوڑھی نہیں مگر بڑی ضرور ہوگئی ہو۔ بچہ تو عثمان ہے، تم سے تین برس چھوٹا مگر مجال ہے جو ایسے شور شرابا کرے“

”اسے تو شوق ہے بیبا بچہ بننے کا“ اس نے منہ بسور کر اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے لاپروائی سے جواب دیا۔

”اور آپ کو باں باں بچہ بننے کا“ عثمان کی دھیمی آواز صرف ثریا بیگم کے کانوں میں پڑی۔ وہ زیر لب مسکرادیں۔

”اچھا جاؤ کپڑے بدلو!۔ تھوڑی دیر تک ظہر کی نماز کا وقت ہو جائے گا۔ نماز ادا کر کے آرام کر لینا“

”جی اچھا امی جان!“ کہہ کر بستہ اٹھائے وہ اپنے کمرے کی جانب چل دیا۔

ظہر پڑھ کر کے دونوں بچے سو گئے تھے۔ عصر کی

نماز ادا کر کے عثمان روزانہ کی طرح باورچی خانے میں چلا آیا۔

''کیا بنا رہی ہیں امی جان! میں مدد کروں؟''

''آ گیا میرا بچہ! ایسا کرو چاٹ کے لیے پھل کاٹ دو اور لیموں پانی بنانے کے لیے پانی میں چینی بھی گھول دینا'' اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے چھری تھام لی تھی۔

''میرے بچوں نے ماشاءاللہ سارے روزے رکھے ہیں۔ صبا کو تو اب روزے لگنے لگیں ہیں۔ تمھیں نہیں لگتا روزہ کیا؟'' ثریا بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''سچ بتاؤں تو میرا دل بھی دوپہر ہوتے ہی ذرا سا گھٹتا ہے۔ حلق بھی سوکھتا ہے پر میں درود پاک پڑھنا شروع کر دیتا ہوں۔ ویسے بھی امی جان روزے داروں کے لیے اللہ پاک کے ہاں بڑا اجر ہے ناں؟'' عثمان نے معصومیت سے کہا تو انھیں اس پر بے اختیار پیار آیا۔

''بالکل بچے۔ روزے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور جو تقوی اختیار کرے، اپنے نفس کی تربیت کرے تو اس کے لیے بڑا اجر ہے''

باورچی خانے کی جانب آتی صبا امی جان اور عثمان کی باتیں سن کر رک گئی۔ اسے لگتا تھا جیسے روزے رکھ کر وہ دوسروں پر احسان عظیم کرتی ہے۔ گو کہ وہ بڑی تھی مگر سمجھ دار اور رویے کی خوب صورتی میں عثمان نے خود کو بڑا ثابت کر دیا تھا۔

''اچھا تو یہاں ملی بھگت ہو رہی ہے'' اندر داخل ہوتے ہوئے صبا نے کہا تو امی ہنس دیں جبکہ عثمان جھٹ سے بولا۔

''ہم روزے سے ہیں''

''میرا بھی روزہ ہے۔ ہم کون سا خر بوزے سے ہیں'' کہتے ہوئے صبا نے دوسری چھری تھام کر پکوڑوں کے لیے آلو چھیلنے شروع کر دیے تھے۔

اسے کام کرتا دیکھ ثریا بیگم دھیرے سے مسکرا دیں۔ ویسے تو کام سے صبا کی جان جاتی مگر عثمان کو ماں کا ہاتھ بٹاتا دیکھ وہ بھی مدد کرنے آجاتی تھی۔

****

رمضان المبارک کے آخری عشرے کی اختتامی ساعتیں تھیں۔ بڑے ماہ مبارک سے فیض یاب ہونے کی تگ و دو میں لگے تھے تو بچوں کے دل و دماغ پر عید کی تیاریاں سوار تھیں۔

''امی! میرے سوٹ کی میچنگ چوڑیاں ہی نہیں ہیں'' ثریا بیگم آخری متوقع سحری کے لیے آٹا گوندھ رہی تھیں جب ان کے کانوں میں جھنجھلائی آواز پڑی۔

''وہ میری دوست ہے نا حنا، اس کی اور میری کلائی کا ماپ ایک ہے۔ میں نے اسے سوٹ کا رنگ بتا کر کئی روز پہلے کہہ دیا تھا کہ اپنے لیے چوڑیاں اور مہندی لائے تو مجھے بھی لا دے۔ اب بس اس کے گھر جانے کا مسئلہ ہے'' انھیں خاموش پا کر اس نے مزید کہا۔

''کل عثمان کے ساتھ چلی جانا اور دوست کو چاند رات مبارک بھی کہہ دینا''

''ارے ہاں یہ زبردست ہو گیا'' وہ خوشی سے کہتی واپس پلٹ گئی۔

باورچی خانہ سمیٹ کر عشاء کی نماز ادا کرنے کے ارادے سے اپنے کمرے کی جانب بڑھتی ہوئی ثریا بیگم اس کے کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے رک گئیں۔ وہ پلنگ پر رنگ برنگے پوسٹرز سامنے پھیلائے بیٹھا تھا۔

''کیا کر رہے ہو عثمان؟''

''کچھ خاص نہیں امی جان! ابھی تو بس دیکھ اور سوچ رہا ہوں''

''ہمم مطلب کچھ بنانے کا ارادہ ہے'' وہ کمرے میں چلی آئیں۔

''جی! یہ ایک سرپرائز ہے'' کہتے ہوئے اس کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔ یہ چمک دروازے پہ آ کھڑی ہوئی صبا بھی دیکھ چکی تھی۔

****

اگلے روز دونوں بہن بھائی چہکتے ہوئے ماں کے پاس موجود تھے۔

''یہ دیکھیے! امی جان! میں نے کیا بنایا ہے؟'' عثمان نے ہاتھ سے بنے رنگ برنگ خوب صورت عید کارڈ ان کے سامنے کیے۔

''میں نے نہیں۔ ہم نے'' صبا نے مسکراتے ہوئے تصحیح کی۔

''جی! جی! آپی نے بھی کچھ کچھ ہاتھ بٹایا'' وہ بھی مسکرا دیا۔ کل رات امی جان کے کمرے سے جانے کے بعد دونوں مل کر کارڈ بناتے رہے تھے۔ اپنی پسند کا ایک عید کارڈ صبا اپنی خاص سہیلی حنا کے لیے پہلے ہی الگ کر چکی تھی۔

''ارے واہ بچو! کمال کر دیا۔ اتنی محنت کی۔ بہت پیارے ہیں یہ تو۔ مجھے اپنا بچپن یاد آ گیا۔

''بس ایک کمی ہے کہ ان پر مزے مزے کے اشعار نہیں لکھے۔'' ثریا بیگم نے بتایا تو عثمان نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔

''اوہ میں بھول گیا تھا۔ یاد دلانے کے لیے شکریہ امی جان!'' عید کارڈ اٹھائے وہ اپنے کمرے کی جانب بھاگا۔

عید کا چاند نظر آنے کا اعلان ہوتے ہی ہر جانب خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ دونوں امی اور ابو جان کو چاند رات مبارک کہہ چکے تھے۔ اب صبا اپنی سہیلی سے ملنے کو تیار تھی۔ جبکہ عثمان بھی اپنے دوستوں کو محبت سے بنائے عید کارڈ دینے کو بے تاب تھا۔

''صبا! میری بیٹی جانے سے پہلے تھوڑا کام کر جاؤ! بس دو منٹ لگیں گے۔ باورچی خانے میں تھوڑے چاول رکھے ہیں کھیر بنانے کے لیے۔ انھیں صاف کر جاؤ تب تک میں اللہ کا شکر ادا کر لوں کہ اس نے ہم سب پر کرم کیا، اجر دیا، عید دیکھنی نصیب کی'' ثریا بیگم نے شکرانے کے دو نفل پڑھنے کی غرض سے جائے نماز بچھا لیا۔ صبا کا بنتا منہ وہ نہ دیکھ سکی تھیں۔

****

نئے کپڑے زیب تن کیے دونوں پورے گھر میں چہکتے پھر رہے تھے۔

ابو جان سے عیدی لینے کے بعد عثمان بہن کے

سامنے حق سے جا کھڑا ہوا۔

''چلیں نکالیں میری عیدی۔آج کوئی کنجوسی نہیں''

''میں تمھیں کیوں عیدی دوں۔تم نے کون سا مجھے عید کارڈ دیا ہے'' صبا نے مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں۔

''ایسی بات ہے تو پھر ایک ہاتھ لیں، ایک ہاتھ دیں'' اس نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کمر کے پیچھے کیا دایاں ہاتھ آگے کیا جس میں عید کارڈ تھا۔ساتھ ہی بایاں ہاتھ بھی پھیلا دیا۔

صبا نے ہنستے ہوئے اس کے ہاتھ پر سو روپے کا نیا نوٹ رکھا اور جھٹ سے کارڈ اچک لیا اور با آواز بلند پڑھنے لگی:

پیاری بہن! بادصبا کے لیے۔

چاول چنتے چنتے نیند آگئی
صبح اُٹھ کے دیکھا تو عید آگئی

عثمان کی میٹھی سی شرارت پر صبا سمیت سبھی کھلکھلا کر ہنسنے لگے تھے۔

****

گھی چور ملازم

ایک بندہ کریانے کی ایک دکان پر ملازم تھا.وہ کسی نہ کسی بہانے دکان سے کچھ نہ کچھ چوری کرتا رہتا تھا۔ دکان کا مالک بڑا ہی خوش اخلاق اور امانتدار انسان تھا۔وقت گزرتا گیا اور دس بارہ سال گزر گئے.اللہ نے مالک کو خوب برکت دی اور اس کی دکان شہر کی سب سے بڑی دکان بن گئی.روزانہ لاکھوں کی آمدن ہونے لگی۔

ایک دن اس ملازم کے گھر سے ٹفن میں کھانا آیا ہوا تھا.ملازم نے چوری سے ٹفن میں دیسی گھی ڈال دیا.اللہ کی شان کہ واپس لے جاتے ہوئے اس کے بچے سے ٹفن نیچے گر کر کھل گیا اور اس کی چوری پکڑی گئی. مالک کا بیٹا غصہ میں آگیا اور ملازم کو برا بھلا کہنے لگا مگر مالک نے اپنے بیٹے کو سختی سے روک دیا اور کہا:" بیٹا! اسے چھوڑ دو.تمہیں آج پتہ چلا ہے کہ یہ چوری کرتا ہے مگر مجھے پچھلے بارہ سال سے معلوم ہے۔اس کے باوجود میں نے اسے کبھی سمجھانے کے علاوہ کچھ نہیں کہا.بس اتنا سوچو کہ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کی روزانہ کی چوری کے باوجود بھی ہم کہاں سے کہاں پہنچ چکے ہیں اور یہ بارہ سال چوری کر کے بھی آج تک ملازم کا ملازم ہی ہے۔

اسی طرح امانتدار انسان اپنی ایمانداری اور محنت کے ذریعے کہاں سے کہاں جا پہنچتا ہے مگر دھوکہ باز اور چور گندگی میں ہی پڑا رہ جاتا ہے

قاسم خان

آپ کو لینے کا تو مجھے بڑا شوق ہے۔اب آپ کے فضائل جان کر آپ کو دینے کی بھی کوشش کروں گی

18

انوکھا انٹرویو

انعم توصیف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیسے ہیں ہمارے قارئین؟ امید ہے آپ سب ایمان کی سلامتی وعافیت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہوں گے۔

سب سے پہلے آپ سب کو انو منو کی جانب سے عید مبارک۔ ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی آپ سب انوکھے مہمان سے ملاقات کرنے کے منتظر ہوں گے۔عید کے مطابق ہم لے کر آئے ہیں آپ کے لیے ایسے مہمان کا انٹرویو جس سے مل کر آپ کا دل خوش ہو جائے گا ان شاءاللہ۔۔۔تو آئیے پھر انو منو شروع کرتی ہے آج کا انوکھا انٹرویو۔

انو منو: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مہمان: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

انو منو: آپ کو دیکھ کر تو مجھے بہت ہی خوشی ہو رہی ہے۔

مہمان: مجھے بھی آپ سے ملاقات کرنے کی بہت خوشی ہے۔ آپ کے توسط سے میں کئی لوگوں کو اپنے بارے میں آگہی فراہم کرسکوں گا۔

انو منو: چلیں اپنا نام ہمارے دوستوں کو بتائیں تاکہ وہ بھی آپ کا نام سن کر خوش ہو جائیں۔ہمیں آپ کے نام کے تو معنی بھی جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔

مہمان: جی میرا نام ”تحفہ“ ہے۔

انو منو: آپ جس کو بھی ملیں اس کی خوشی قابل دید ہوتی ہے۔آپ ہمیں اپنے بارے میں بتائیے کہ آپ کو دینے سے خوشی کے علاوہ اور کیا فائدہ ملتا ہے؟

مہمان: میرا فائدہ تو اس ہی میں ہے کہ میرے ہونے سے مسلمان بھائیوں اور بہنوں کو دنیا کے ساتھ دین کا فائدہ بھی ہو۔میرے بارے میں حدیث پاک میں ذکر موجود ہے اور یہ بات میرے لیے بڑی سعادت کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”آپس میں ہدیے (تحفے) بھیجا کرو! ہدیے (تحفے) دلوں کے کینے کو ختم کر دیتے ہیں۔“ (جامع ترمذی)

انو منو: یعنی آپ کو دینے سے آپس میں محبت بڑھے گی؟

مہمان: جی! آج کل تو ایک دوسرے کے لیے کینہ رکھنا عام اخلاقی بیماری بن چکی ہے۔ مجھے دے کر آپ

اس بیماری سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور ان شاء اللہ جب یہ کینہ ختم ہوگا تو محبت خود بخود اپنی جگہ بنالے گی۔

انو منو: سبحان اللہ! کتنی پیاری بات بتائی ہے آپ نے۔

مہمان: میں نے نہیں، ہمارے نبی پاک ﷺ نے۔

(مسکراہٹ)

انو منو: جی بے شک! ہمیں آپ کو دیتے ہوئے کس چیز کا خیال رکھنا چاہیے۔ یعنی قیمتی اور اعلیٰ قسم کا تحفہ دینے کے اگر ہمارے پاس پیسے نہ ہوں پھر ہم کیا کریں؟

مہمان: مجھے کسی کو دینے کے لیے اعلیٰ اور قیمتی ہونے سے زیادہ، آپ کا خلوص نیت سے دینا ضروری ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

''آپس میں ہدیے تحفے دیا کرو! ہدیہ سینوں کی کدورت و رنجش کو دور کر دیتا ہے اور ایک پڑوسن دوسری پڑوسن کے ہدیہ کے لیے بکری کے کھر کے ایک ٹکڑے کو بھی حقیر اور کمتر نہ سمجھے'' (ترمذی)

انو منو: الحمدللہ! کتنی آسانی کر دی ہے اللہ نے ہمارے لیے۔ معمولی سا تحفہ دینے سے بھی دل سے رنجشیں دور ہو سکتی ہیں۔

مہمان: آپ کسی کو معمولی چیز بھی تحفتاً دیں، وہ بھی اس نیت سے کہ حدیث مبارکہ پر عمل ہو سکے اور مسلمان بھائی کا دل بھی خوش ہو جائے، تو یقیناً اس سے آپ سب کو دنیاوی و اخروی فوائد حاصل ہوں گے۔

انو منو: اخروی فائدہ تو مجھے سمجھ آ گیا کہ حدیث مبارکہ پہ عمل کرنے سے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا ان شاء اللہ لیکن دنیاوی فائدہ۔ یہ مجھے سمجھ نہیں آیا۔

مہمان: نبی کریم ﷺ کے ہر فرمان پر عمل کرنے سے آخرت کے ساتھ دنیا کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ جہاں تک میری بات ہے تو مجھے دینے سے یہ فائدہ ہوگا کہ جب آپس کی رنجشیں ختم ہوں گی تو دل و دماغ کو سکون حاصل ہوگا۔ دل و دماغ سکون میں رہیں گے تو صحت پر بھی اچھا پڑے گا۔

جب آپ لوگوں کے دل صاف ہوں گے تو آپ لوگ ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے، ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس کا اثر معاشرے پر بھی بہت اچھا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

انو منو: اگر کوئی ہمیں تحفہ دے لیکن ہمارے پاس اس کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

مہمان: بہت اچھا سوال کیا ہے آپ نے۔ اس کا جواب بھی آپ کو نبی پاک صلی علیہ وآلہ وسلم کے مبارک فرمان سے دیتا ہوں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کو کوئی چیز (ہدیہ، تحفہ وغیرہ) دی جائے اور اگر اس کے پاس کچھ ہو تو بدلے میں دے۔ اگر اس کے پاس کچھ نہ ہو تو پھر اس کی تعریف کرے۔ جس نے اس کی تعریف کی اس نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور جس

نے اسے (ہدیہ وغیرہ) چھپایا تو اس نے اس (ہدیہ وغیرہ) کا انکار کیا۔ (سنن ابی داؤد)

اس فرمان نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ کے پاس کچھ ہے تو بدلے میں دے دیجیے۔ اگر نہیں ہے تو آپ تحفے کی تعریف کیجیے تاکہ دینے والے کا بھی دل خوش ہوجائے۔ اگر کوئی اس متعلق آپ سے پوچھے کہ فلاں بندے نے آپ کو تحفہ دیا ہے تو آپ سچ بتائیں، سامنے والے کی نیکی کو نہ چھپائیں۔

انومنو: تو کیا آپ کا دینا نیکی ہے؟

مہمان: جی! جب میرا ذکر حدیث پاک میں موجود ہے اور مجھے دینے کی ترغیب دی گئی ہے تو یقیناً میرا شمار نیکی میں ہی ہوگا۔

انومنو: آپ کو لینے کا تو مجھے بڑا شوق ہے۔ اب آپ کے فضائل جان کر آپ کو دینے کی بھی کوشش کروں گی۔ لیکن صرف اس ہی شخص کو آپ کو دیں جو ناراض ہو یا ویسے بھی ہم کسی کو دے سکتے ہیں۔

مہمان: یہ بات کہ میرا دینا کینہ کو ختم کرتا ہے یہ تو میری خاصیت ہے۔ آپ اپنے گھر والوں کو، اپنے دوستوں کو، اپنے رشتے داروں کو بنا کسی وجہ کے بھی مجھے دے سکتے ہیں۔ اس سے آپ لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبتیں بڑھیں گی۔ ان شاء اللہ

انومنو: کیا ہمیں کوئی خاص چیز بطور تحفہ دینی چاہیے؟

مہمان: ہر وہ چیز جس سے دنیا و دین کا فائدہ ہو وہ دیجیے۔ کتابیں دیجیے، قلم دیجیے یا جو بھی دیجیے ایسی چیز دیجیے جو سامنے والے کے کام آئے اور آپ کو اس کا ثواب بھی ملے۔ یہ میری رائے ہے آپ اس کے علاوہ جو بھی دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔

انومنو: ان شاء اللہ! میں اور میرے دوست آپ کی باتوں پر عمل کریں گے۔ ویسے تو مجھے تحفے لینے کا بہت شوق ہے اور میں سب سے لیتی بھی ہوں لیکن اب آپ سے ملاقات کے بعد تحفے دینے کی بھی کوشش کروں گی۔ ان شاء اللہ

(مسکراہٹ)

مہمان: ''جزاک اللہ خیرا کثیرا''

انومنو: آپ کو اپنی طرف سے ڈھیر ساری دعاؤں کا تحفہ پیش کرتا ہوں۔ ایسے ہی اچھے اچھے انٹرویو لیتی رہیے۔

انومنو: اس سے بہتر کوئی اور تحفہ ہو نہیں سکتا۔

جزاک اللہ خیرا کثیرا۔

مہمان: اب مجھے اجازت دیجیے۔

فی امان اللہ

جی تو دوستو! یہ تھے ہمارے انوکھے مہمان۔ عید کے اس پر مسرت موقع پر ایک دوسرے کو تحفے دیجیے! خوش رہیے! اور خوشیاں بانٹیے!

انومنو کی جانب سے آپ سب کو ایک بار پھر عید مبارک۔ ملتے ہیں اگلے مہمان کے انوکھے انٹرویو کے ساتھ۔ ان شاء اللہ

تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعاء دیجیے! دعاء کیجیے! اور دعاء لیجیے!

* * * *

کیسا روزہ؟

اسماعیل صاحب نے جب بچوں کو اچانک یہ خوشخبری سنائی تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اسماعیل صاحب نے یہ خوشخبری سنائی کہ وہ سب کو لے کر گاؤں جائیں گے اور پورا رمضان وہیں گزاریں گے۔

گاؤں میں اسماعیل صاحب کے والد اور بڑے بھائی محمد یعقوب اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ رہتے تھے۔ یعقوب صاحب گاؤں کے سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ کبھی کبھار بچوں کے ساتھ چھوٹے بھائی سے ملنے شہر آتے تھے۔ زہرہ، عمیر، یاسر اور ننھا عمار بہت خوش تھے۔

''ابو جان! کیا ہم عید بھی وہیں تایا ابو اور دادا جان کے ساتھ منائیں گے؟'' عمار نے کہا

''بے وقوف! جب پورا رمضان وہیں گزاریں گے تو پھر عید بھی وہیں کریں گے ناں!'' عمار کی اس بات پر زہرہ عمار کے سر پر ہلکی سی چپت مارتے ہوئے بولی

''یاہووو!! یہ ہوئی ناں بات!'' عمار اپنے والد صاحب کی ٹانگوں سے لپٹ گئے، عمار کو اس طرح دیکھ کر سب مسکرا پڑے۔

پیکنگ شروع ہو چکی تھی۔ زہرہ نے کچھ سوچ کر اپنا لیپ ٹاپ بھی بیگ میں ڈال دیا، تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں پھر اگلے دن ہی صبح سویرے وہ اپنی گاڑی میں گاؤں کے لئے روانہ ہو گئے۔ چھ گھنٹے کے طویل سفر کے بعد وہ بالآخر گاؤں پہنچ گئے۔

اسماعیل صاحب نے کسی کو نہیں بتایا تھا اور اپنی آمد کو خفیہ رکھا تھا، یوں

تسلیمہ موسیٰ

اچانک انہیں دیکھ کر ان سب کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی، انہوں نے کھلے دل سے سب کو خوش آمدید کہا۔ ایک دوسرے سے حال احوال پوچھا اور پھر سفر سے تھکاوٹ کیوجہ سے انہیں آرام کرنے کے لئے کمروں میں لے آئے۔

شام کو تازہ دم ہونے کے بعد سب بیٹھے خوشگوار ماحول میں باتیں کررہے تھے۔ اسماعیل صاحب اپنے والد محترم اور بڑے بھائی کے ساتھ محوگفتگو تھے۔ ان کی اہلیہ یعقوب صاحب کی اہلیہ کچن میں ہاتھ بٹارہی تھیں، زہرہ مریم اور کلثوم کے ساتھ بیٹھی تھی اور عمار، یاسر اور عمیر عبداللہ اور عثمان کے ساتھ باتیں کررہے تھے۔

''تم دونوں فارغ وقت میں کیا کرتی ہو؟'' زہرہ نے کہا۔

''ہمیں تو فضول وقت ملتا ہی نہیں سکول سے واپس آکر نماز پڑھتی ہیں، پھر کھانا کھاتی ہیں پھر امی کیساتھ کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاتی ہیں پھر تھوڑا آرام کرتے ہیں پھر ہوم ورک کرتی ہیں، اگر کبھی کبھار نیند نہ آئے تو دادا جان کی لائبریری سے کوئی اسلامک بکس نکال کر پڑھتی ہیں، تم بتاؤ تم کیا کرتی ہو؟''

''میں؟'' زہرہ مسکرائی ''میں تو سارا دن دوستوں کیساتھ لیپ ٹاپ پر بزی رہتی ہوں، مجھے ٹائم ہی نہیں ملتا''

''تم چچی کیساتھ ان کی مدد نہیں کراتی؟'' کلثوم نے حیران ہوکر کہا۔

''مجھے کوئی کام آتا ہی نہیں ہے'' زہرہ شرمندہ ہونے کے بجائے مسکرا کر بولی۔ کلثوم اور مریم ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

''نماز تو پڑھتی ہوگی تم؟ پھر کلثوم بولی۔

''ہاں تین وقت کی، فجر کو میری آنکھ نہیں کھلتی اور ظہر کی اکثر قضاء ہوجاتی ہے اور عشاء میں سہلیوں سے باتیں کرتے ہوئے ناں جانے کب آنکھ لگ جاتی ہے پتہ ہی نہیں چلتا'' زہرہ شرمندہ ہونے کے بجائے ڈھٹائی سے یہ سب بتارہی تھی۔

مریم اور کلثوم کو بڑا افسوس ہوا تھا۔ وہ تو شکر تھا کہ ان کا گھران فضولیات سے محفوظ تھا۔

''قرآن کی تو تلاوت کرتی ہوگی ناں؟'' اس بار میریم نے سوال کیا۔

''ہاں کبھی کبھار جب ابو سختی سے ڈانٹتے ہیں تو'' کلثوم نے زیرلب کہا تو ''استغفراللہ، اللہ کی پناہ'' مریم نے کہا۔

'کوئی بات نہیں اب تم ایک مہینہ ادھر ہی ہو دیکھنا تم جلد ہی تم بھی اس رنگ میں رنگ جاؤ گی۔ ہم تمہیں اللہ کے فضل سے ان شاءاللہ پانچ وقت کی نمازی بنادینگے اور تم ان فضولیات کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گی''

''یہ تو مشکل ہے مگر چلو دیکھتے ہیں ہوجائیگا، اللہ پر توکل ہے'' وہ تینوں مسکرائیں۔

عمار، یاسر اور عمیر کا حال بھی یہی تھا۔ عبداللہ اور عثمان انہیں زبردستی مسجد لے جاتے تھے دادا جان سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اسماعیل صاحب سے دبے لفظوں شکایت بھی کی تھی کہ انہوں نے بچوں کی تربیت پر بالکل بھی دھیان نہیں دیا، جب دیکھو موبائل میں لگے رہتے ہیں۔

اسماعیل صاحب شرمندہ سے ہوگئے، مغرب کی نماز

کے بعد وہ سب صحن میں کھڑے چاند کو ڈھونڈ رہے تھے ان کی نگاہیں آسمان میں چھپے چاند کو ڈھونڈ رہی تھیں، تبھی عبداللہ نے کہا۔ وہ رہا رمضان المبارک کا چاند سب نے اس طرف دیکھا تو واقعی میں چاند تھا سب نے ہاتھ اٹھائے اور دعا مانگنے لگے:

''اے اللہ اس رمضان المبارک کو ہمارے لیے بہترین اجر والا اور ہماری مغفرت والا مہینہ بنادے!

یا اللہ! ہماری بھی اس مہینے میں بخشش فرمادیجئے!''

دادا جان نے دعا کی تو سب نے آمین کہی۔

عبداللہ اور عثمان زبردستی عمار، یاسر اور عمیر کو تراویح کے لئے لے گئے۔ مریم اور کلثوم بھی زہرہ کو نماز کے لئے زبردستی لے آئی تھیں۔ زہرہ نے کئی بہانے بنائے مگر ان دونوں نے اس کی ایک نہ سنی، اسے اپنے ساتھ بٹھا کر رمضان المبارک میں کی گئی عبادات سے ملنے والے اجر کے متعلق بتانے لگیں اور زہرہ بے دھیانی میں ہاں ہوں کرتے کرتے وہیں ہی سوگئی، اسے جاگ کر عبادت کرنے کی عادت ہی کہاں تھی؟

عبداللہ اور عثمان کے اصرار پر انہوں نے تراویح تو پڑھ لی مگر واپس آتے ہی وہ بستروں میں گھس گئے اور پھر اپنے اپنے موبائل فونز نکال لئے، عبادت کے لئے ٹائم نہیں سستی اور تھکن آڑے آرہی تھی اور موبائل آن کیا تو ساری سستی اور تھکن اڑن چھو ہوگئی۔

دادا جان افسوس سے سر ہلانے لگے سوشل میڈیا نے والدین کیساتھ کیساتھ بچوں کو بھی بری طرح سے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دادا جان نے ڈانٹ کر انہیں سونے کا کہا کہ سو جاؤ سحری کے لئے بھی اٹھنا ہے، ڈانٹ کھانے کے بعد وہ تینوں فون بند کر کے سو گئے۔

مریم اور کلثوم سحری میں ہی اٹھ گئی تھیں والدہ کیساتھ تہجد پڑھنے کے بعد وہ سحری میں والدہ کا ہاتھ بٹانے لگیں، سحری تیار ہوئی تو سب آگئے ماسوائے عمیر، یاسر، عمار اور زہرہ کے، مریم نے تین بار جا کر زہرہ کو اٹھایا مگر بے سود تب دادا جان نے اپنے غصے کا استعمال کیا تو وہ چاروں جلدی سے اٹھ گئے اور ہاتھ منہ دھو کر سحری کھانے لگے، دادا جان ان چاروں کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''آپ لوگوں نے تہجد کی نماز پڑھی؟'' چاروں کے نوالے ہاتھ میں تھے اور دادا جان کو تکنے لگے، پھر سر نفی میں ہلایا۔

''افسوس صد افسوس!'' دادا جان اسماعیل اور اس کی اہلیہ کو دیکھتے ہوئے بولے۔

''صرف ایک ہی دن میں میں نے بچوں کو جان لیا، سوشل میڈیا کا اتنا بے دریغ استعمال کہ ان کو نہ کھانے کا پتہ ہے نہ سونے کا اور نہ نماز و قرآن کا، آپ دونوں نے بچوں کی یہ تربیت کی ہے، سوشل میڈیا کا اتنا قصور نہیں ہے جتنا آپ دونوں کی بے توجہی اور تربیت کا ہے اگر آپ دونوں بچوں کی تربیت پر ذرا سی توجہ دیتے تو ان کی عادات نہ بگڑتیں، سوشل میڈیا کے بے دریغ استعمال نے ان بچوں کو نماز و قرآن اور اپنے رب سے دور کر دیا اور بڑا افسوس تو یہ ہے کہ والدین کو بھی اتنی فرصت نہیں کہ بیٹھ کر بچوں کو سمجھا سکیں''

یہ سن کر اسماعیل اور اسکی اہلیہ کا سر جھک گیا اور وہ چاروں بھی سر جھکا کر خاموشی سے سحری کھانے لگیں۔

سحری کھاتے ہی زہرہ، عمار، یاسر اور عمیر لمبی تان کر

سو گئے، مریم اور کلثوم والدہ کیساتھ ہاتھ بٹانے لگیں۔ سارا کام کرنے کے بعد نماز فجر پڑھ کر قرآن کی تلاوت کی اور پھر سو گئیں۔

ظہر کی نماز کے بعد دادا جان نے سب کو سختی سے تاکید کی تھی کہ سب ظہر کی نماز کے بعد کمروں میں جا کر سو جائیں، کوئی شور ناں کرے اور ناں ہی باہر نکلے کیونکہ باہر سخت گرمی ہے کہیں روزہ نہ لگ جائے۔ دادا جان اور باقی سب جا کر کمروں میں آرام کرنے لگے، چونکہ یہ چاروں اب نیند پوری کر چکے تھے تو اب ان کو نیند کہاں سے آنی تھی، اور اوپر سے انکو روزہ تھا اور پھر دن بھی گرمی کا اب وہ کیا کریں؟ ان کے ہاتھوں میں کھجلی ہونے لگی۔

عمیر نے اپنا موبائل نکال لیا اور دوستوں کے بھیجے گئے میسجز دیکھنے اور پڑھنے لگا۔ یاسر اپنے موبائل پر کارٹون دیکھنے لگا عمار یاسر کے پاس بیٹھا تو یاسر نے اسے اٹھا دیا کہ ابو کا موبائل لے آؤ اس پر کارٹون دیکھو میں نہیں دیکھنے دونگا۔ عمار فوراً بھاگ کر اپنے والد کا موبائل لے آیا تو زہرہ نے اس سے چھین لیا کہ مجھے دو مجھے اپنی ایک دوست سے اہم بات کرنی ہے اور پھر زہرہ اپنی دوست کیساتھ گپ شب میں لگ گئی اور بلند آواز میں باتیں کرنے لگی اور ساتھ میں زور سے ہنستی بھی، دوسری طرف یاسر بھی والیم بڑھا کر کارٹون دیکھ رہا تھا، اب یہ چاروں اپنا ٹائم پاس کر رہے تھے۔

عمار زہرہ کے پاس کھڑا بلند آواز میں اسے کہہ رہا تھا آپی! بس کر دیں مجھے موبائل دیں کارٹونز دیکھنے ہیں اور زہرہ اسے پیچھے کرتی کہ جاؤ یاسر کے ساتھ بیٹھ کر دیکھو مجھے تنگ نہ کرو! ہال میں ایک شور برپا تھا یہ بھی نہیں سوچ رہے تھے کہ اندر روزہ دار آرام کر رہے ہیں، مگر انہیں تو صرف ٹائم پاس کرنا تھا، نتیجتاً سب کی نیند خراب ہو گئی۔

دادا جان لاٹھی ٹیکتے ہوئے وہاں پہنچے اور ذرا غصے میں بولے: ''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

سب اٹھ گئے اور موبائل بند کر دیئے، دادا جان کو غصے میں دیکھ کر وہ چاروں سہم گئے پہلے کبھی دادا جان کو اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''یہ کیا ہو رہا تھا میں نے منع بھی کیا تھا ناں کہ شور نہیں کرنا پھر یہ سب کیوں؟''

''وہ دادا جان! ہمیں نیند نہیں آ رہی تھی تو ہم ٹائم پاس کر رہے تھے ہمیں روزہ تھا ناں اس لئے'' عمار معصومیت سے بولا:

''روزہ؟ کیسا روزہ ہے یہ؟ کیا ایسا ہوتا ہے روزہ؟ اسے روزہ کہتے ہیں'' دادا جان سب کو دیکھنے لگے۔

''دوسروں کے آرام میں خلل ڈالنا کسی روزہ دار کو تنگ کرنا، کیا ایسے روزہ دار کا روزہ قبول ہو گا؟''

چاروں سر جھکا گئے، دادا جان کا غصہ کچھ ٹھنڈا ہو تو وہ انہیں بیٹھنے کا کہہ کر خود بھی بیٹھ گئے، پھر انہیں پیار سے سمجھاتے ہوئے بولے:

''میرے بچو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں نے اپنی عادات بہت بگاڑ لی ہیں رمضان المبارک یہ وہ مہینہ ہے جس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے اسی لئے اس مبارک مہینے میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کمائیں زیادہ سے زیادہ عبادت کریں اور اللہ کے ہاں پسندیدہ اور محبوب بندے بن جائیں اور

آپ لوگ کیا کر رہے ہیں ایسی فضولیات میں اپنا قیمتی ٹائم برباد کر رہے ہیں، روزہ صرف بھوکا پیاسا رہنے کا نام نہیں ہے روزہ کی حالت میں اور بھی بہت سی باتوں کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، جسم کے تمام ظاہری اعضاء بھی روزے میں شمار ہیں یعنی ہاتھ پاؤں آنکھ کان اور زبان وغیرہ کا بھی روزہ ہوتا ہے"

"سچ میں دادا جان!" عمار نے کہا۔

"ہاں بالکل بیٹے! رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو فحش گوئی، بے ہودہ اور دل لگی کی باتیں ناں کرے اگر کوئی لڑے جھگڑے تب بھی آپ خاموش رہو!"

"تو دادا جان ہم پھر کیا کریں؟" یاسر نے اس بات پر کہا

"آپ نے یہ کہنا ہے کہ میں روزے سے ہوں، ایسے بدنصیب روزہ دار بھی ہیں جو سارا دن بھوکا پیاسا رہتے ہیں مگر سوائے بھوک پیاس کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی لوگ ساری رات بیدار رہتے ہیں مگر سوائے بیداری کے کچھ نہیں ملتا وہ بھوک پیاس کی تکلیف تو برداشت کرتے ہیں مگر روزے کے اصل اجر وثواب سے محروم رہتے ہیں"

"وہ کس لئے دادا جان؟" اس بار عمیر نے سوال کیا۔

وہ اس لئے میرے بچو کہ جو روزہ تو رکھتے ہیں مگر اپنے اندر خوف خدا نہیں رکھتے، اپنے اخلاق ٹھیک نہیں کرتے، اپنی نگاہوں، آنکھوں، کانوں اور زبان کی حفاظت نہیں کرتے پھر کہاں سے تقویٰ حاصل ہوگا؟ کہاں سے اللہ کا قرب حاصل ہوگا اور اُلٹا روزہ رکھ کر ایسے گناہ والے کام کر کے اللہ کے غصے کو دعوت دیتے ہیں، ایسے روزہ داروں کے لئے نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہے اور نہ آخرت میں جو اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ پاتے، اب آپ لوگ خود اپنے آپ ہی کو دیکھ لیں کیا کر رہے تھے آپ لوگ؟" چاروں سر جھکا گئے وہ انتہائی شرمندہ تھے، انہیں دادا جان کی بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

"اللہ! میری توبہ دادا جان! میں توبہ کرتا ہوں آئندہ موبائل کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گا، وگرنہ پھر میرے روزے کا اجر بھی ضائع ہو جائیگا" ننھے عمار نے کہا۔

"ہاں بالکل پھر تو کوئی فائدہ نہ ہوا ناں بھوکا پیاسا رہنے کا" تینوں نے کہا

"دادا جان! ہم سمجھ گئے ہیں کہ روزہ کے اصل معنی کیا ہیں ہم عہد کرتے ہیں کہ آئندہ ہم ایسی غلطی ہرگز بھی نہیں کریں گے"

"شاباش ہے میرے بچوں کو، اللہ آپ سب کو ثابت قدم رکھے!" دادا جان نے مڑ کر دیکھا تو دروازے پر سب موجود تھے۔ ناں جانے وہ کب اٹھ کر ادھر چلے آئے تھے اب وہ ان کی باتیں سن کر مسکرا رہے تھے۔

تبھی عصر کی اذان بلند ہوئی تو چاروں جلدی سے اُٹھ گئے۔

"بچو! کدھر چلے؟" دادا جان نے کہا

"دادا جان! وضو کر کے نماز پڑھنے" عمار نے کہا

دادا جان کے ساتھ سب مسکرا پڑے اور دادا جان خود بھی نماز کے لئے اُٹھ گئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بہترین انداز میں رمضان المبارک گزارنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین

ایک نیکی

عبدالمجید شاکر

کبھی کبھی فقط ایک نیکی رویوں میں تبدیلی کا باعث بن جاتی ہے

طارق کی شہر میں بجلی کی دکان تھی۔ وہ ایمانداری سے کام کرتا تھا جس کی وجہ سے پورا دن بڑی محنت کرنے کے باوجود وہ اپنے خاندان کے اخراجات ہی پورے کر پاتا تھا۔ وہ جس دکان پر کام کرتا تھا وہ اس نے پانچ ہزار روپے ماہانہ کرائے پر لے رکھی تھی۔ اس کے ساتھ گھر بھی اس نے کرائے پر لے رکھا تھا۔ جس کا ماہانہ کرایہ سات ہزار روپے تھا۔

طارق کے خاندان میں اس سمیت اس کی بیوی اور دو بچے شامل تھے۔ جن کے اخراجات وہ بڑی مشکل سے پورے کر پاتا تھا۔

ایک دن وہ دکان پر جانے لگا تو اس کی بیٹی جویریہ بولی۔

”ابا! عید آنے والی ہے۔ آپ مجھے عید پر لازمی کوئی تحفہ دیں گے۔ مجھے نئے کپڑے بنوانے ہیں اور بالکل آسیہ جیسے بنوانے ہیں۔ اس کے ابا کل ہی اس کے لئے خوبصورت گلابی کپڑے لائے ہیں۔ ابا! آپ بھی میرے لئے لائیں گے نا! بولیں ناں؟“

”بڑی آئی کپڑے بنوانے والی۔ ابا! تو میرے لئے تحفے لائیں گے۔ عیدی تو مجھے ملے گی۔“ ابھی جویریہ بول رہی تھی کہ اس سے بڑا اسامہ بول پڑا۔

”بچو! چلو باہر جا کر کھیلو! اپنے ابا کو پریشان مت کرو!“ ان کی ماں نے کہا۔

”آپ پریشان مت ہوں۔ یہ بچے تو خوامخواہ تنگ کرتے رہتے ہیں اور کچھ نہ کچھ مانگتے رہتے ہیں۔ آپ کو دکان پر جانے میں دیر ہو رہی ہوگی۔ آپ بے فکر ہو کر دکان پر جائیں۔“

”نہیں نیک بخت! میں اپنی اولاد کو کوئی خوشی نہیں دے پا رہا۔ میری غربت میرے بچوں کی خوشیوں کے آڑے آجاتی ہے۔ لیکن مجھے اللہ سے پوری امید ہے کہ وہ ضرور کوئی سبب بنائے گا۔“

طارق اگرچہ غریب تھا تاہم وہ پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا اور اسے اللہ پر پورا یقین تھا اور وہ نماز کے وقت

دکان بند کر دیتا تھا کہ یہ اللہ کا وقت ہے۔

****

وہ اپنی پریشانی میں مبتلا دکان پر پہنچا اور کل کا باقی کام کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ بازار کا نامی گرامی غنڈہ ضمیر اپنے ہمنواؤں کے ساتھ آپہنچا۔ یہ ایک اور نئی مصیبت کھڑی ہوگئی تھی۔

''طارق میاں! پیسے نکالو! تمہارے پاس پچھلے بھی بقایا رہتے ہیں۔ اب میں ایسے نہیں جاؤں گا۔ جلدی کرو! یہاں سب دکاندار مجھے حصہ دیتے ہیں۔ ورنہ دکان سے چلتے بنو!''

''ضمیر بھائی! اس ماہ آمدنی بہت کم ہوئی ہے۔ گھر اور دکان کا کرایہ دینا بھی باقی ہے۔'' طارق نے ضمیر کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

''مجھے اس بات سے کوئی مطلب نہیں۔ مجھے میرا حصہ چاہیے۔ سب کا حصہ پہنچ چکا ہے۔ صرف تم باقی رہتے ہو۔ مجھے عید سے پہلے رقم پہنچ جانی چاہیے ورنہ نتائج کے لئے تیار رہنا۔''

وہ دھمکی دے کر چلا گیا۔ طارق کی آمدنی آج بھی بہت کم ہوئی تھی۔ جس سے وہ صرف گھر کے اخراجات ہی پورے کر سکا۔

وہ پوری رات خوف سے سو نہیں سکا اور پہلو بدلتا یہی سوچتا رہا کہ وہ کیسے ضمیر کا مطالبہ پورا کرے گا؟ ضمیر ایک خطرناک آدمی تھا اور وہ اس کے خاندان کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔

****

دو دن بعد طارق دکان پر جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک عورت سڑک کنارے بے ہوش پڑی ہے اور ایک شیر خوار بچہ اس کے قریب لیٹا رو رہا تھا۔ لوگ اس عورت کے قریب سے گزر رہے تھے مگر کسی نے بھی اس عورت اور بچے کی مدد نہیں کی۔

طارق کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ اس نے قریب جا کر بچے کو اٹھا لیا اور ایک گاڑی روک کر اس میں عورت کو ہسپتال لے گیا۔

''ڈاکٹر صاحب! یہ راستے میں بے ہوش ہو کر گر گئی تھی۔ آپ ذرا دیکھئے اسے کیا ہوا ہے؟'' وہاں جا کر ڈاکٹر سے بولا۔

ڈاکٹر نے عورت کا طبی معائنہ کیا اور کہا جی ان کے ساتھ کون ہے؟

''جی! میں ہوں'' طارق نے جلدی سے کہا۔

شدید گرمی کی وجہ سے ان کو چکر آ گئے تھے اور یہ بے ہوش ہو کر گر گئیں تھیں۔ ان کو میں نے ادویات اور انجکشن لگا دیا ہے۔ اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔ آپ انہیں ایک گھنٹے بعد لے جا سکتے ہیں۔

عورت کو کچھ دیر بعد ہوش آیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا بچہ طارق کی گود میں ہے۔ اسے یاد آیا کہ وہ تو بے ہوش ہو کر گر گئی تھی۔

''مجھے یہاں کون لایا ہے؟'' عورت نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

ڈاکٹر نے طارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کو یہاں لائے ہیں۔ اگر یہ آپ کو یہاں نہ لاتے تو آپ کی جان کو خطرہ تھا۔ آپ کے بچے کو بھی انہوں نے ہی سنبھالا ہے۔

''بہت بہت شکریہ بھائی صاحب! میرا نام شہلا ہے۔ آپ نے آج میری جان بچائی اور میرے بچے کو بھی سنبھالا۔ آپ اللہ کے نیک بندے ہیں'' یہ سن کر عورت بولی۔

''جی بہن بہت شکریہ! یہ لیجئے آپ کا بیگ۔ جب آپ بے ہوش ہوئیں تھیں تو یہ آپ کے پاس پڑا تھا۔''

شہلا نے پرس میں سے فون نکالا اور اپنے شوہر کو ساری بات بتائی۔

وہ چند ہی لمحوں میں ہسپتال پہنچ گیا۔

****

شہلا کے شوہر کو دیکھ کر طارق حیران رہ گیا۔ شہلا کا شوہر کوئی اور نہیں، ضمیر تھا۔ وہی ضمیر جو طارق سے جبراً بھتہ لیا کرتا تھا۔

شہلا نے اپنے شوہر کو ساری بات بتائی۔ جس پر ضمیر نے شرمندگی محسوس کی اور طارق سے کہا۔

''طارق بھائی! آج آپ نے میری بیوی اور میرے اکلوتے بیٹے کی جان بچا کر مجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کوئی اور ہوتا تو کچھ بھی کر سکتا تھا لیکن تم فرشتے کے روپ میں سامنے آگئے۔

میرا خاندان تمہارا یہ احسان بھلا نہیں سکتا۔ میں نے تمہارے ساتھ بہت ظلم و زیادتی کی ہے۔ میں ایک برا آدمی ہوں اور میں نے آج تک بہت برے کام کئے ہیں۔ میں غریبوں کا مال کھاتا آیا ہوں۔ شاید اللہ نے مجھے سبق سکھانے کے لئے یہ کیا ہے۔

میں آج سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کسی غریب کی محنت سے کمائی ہوئی دولت پر قبضہ نہیں کروں گا بلکہ محنت کر کے کماؤں گا۔ آپ بھی مجھے معاف کر دو!''

''ضمیر صاحب! آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا ہے اور معافی بھی مانگ لی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور معاف کر دیں گے اور میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اللہ کا حکم یہی کہتا ہے کہ ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے۔ میں نے یہ سب اللہ کی عطا کردہ توفیق سے کیا ہے۔'' یہ سن کر طارق بولا۔

''طارق بھائی! میں نے سب کچھ سن لیا ہے۔ آپ نے ہماری مدد کی ہے۔ آپ کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے اور میرے شوہر نے بھی اپنی غلطی مان لی ہے۔ عید آنے والی ہے۔ میرے شوہر اپنی غلطی کو سدھارنے کا آغاز آج سے ہی کریں گے'' یہ کہہ کر وہ اپنے شوہر سے بولی۔

''آپ نے آج تک جتنی رقم طارق سے جبراً لی ہے وہ ساری واپس کر دیں تاکہ یہ اور ان کا خاندان عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکے۔ اللہ آپ کو معاف کر دیں گے۔''

ضمیر نے طارق سے لی ہوئی ساری رقم واپس کر دی اور آئندہ اس کام سے توبہ کر لی۔

گھر آ کر طارق نے ساری بات اپنی بیوی کو بتائی۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی۔ اس نے اللہ کا شکر بھی ادا کیا اور کہا اب ہمارے بچے بھی خوشی خوشی عید منا سکیں گے۔

اور ایسا ہی ہوا۔ بچوں کی عید کی خوشیاں دوبالا ہو گئی تھیں کیونکہ ان کو پسند کے تحائف جو مل گئے تھے۔

ضمیر بھی اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ عید کے دن مٹھائیاں اور تحائف لے کر طارق کے گھر آیا اور دونوں خاندانوں نے عید کی خوشیاں اکھٹے منائیں۔

بازار کے سب دکاندار بھی بہت خوش تھے کہ طارق کی ایک نیکی ضمیر کے رویے میں تبدیلی لے آئی تھی۔

****

حضرت مولانا محمد مسعود اظہر صاحب حفظہ اللہ

اللہ تعالیٰ مہربان

اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاملہ میں جو کچھ کیا..... وہی اچھا ہے، وہی ٹھیک ہے..... اللہ تعالیٰ ہمارے معاملہ میں جو کچھ کریں گے..... وہی اچھا ہے وہی ٹھیک ہے..... اللہ تعالیٰ ظلم نہیں فرماتے..... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہیں..... اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کیا خیر ہے اور کیا شر..... وہ مسلمان کامیاب ہے جو اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ اچھا گمان رکھتا ہے.....

بڑی عبادت

اللہ تعالیٰ سے ''حسن ظن'' رکھنا..... اللہ تعالیٰ سے خوش گمان رہنا..... اللہ تعالیٰ سے خوش اور راضی رہنا..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور کشادگی کا اُمیدوار رہنا..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے اچھے حالات کی اُمید رکھنا..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور بخشش کی اُمید رکھنا..... یہ بہت افضل اور بڑی عبادت ہے..... جب دل پر ناشکری کا حملہ ہو تو وہ الفاظ دل اور زبان سے کہیں جو آج کے کالم کی پہلی سطر میں لکھے ہیں کہ..... یا اللہ! آپ نے جو کچھ کیا وہی اچھا ہے، وہی بہتر ہے اور جو کچھ کریں گے وہی اچھا ہے اور وہی بہتر ہے..... ان شاء اللہ دل سے ناشکری دور ہو جائے گی..... حضرت سعید بن جبیرؒ یہ دعاء فرمایا کرتے تھے.....

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ صِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْکَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِکَ

یا اللہ! مجھے آپ پر سچا توکل اور حسن ظن نصیب ہو جائے.....

افراتفری کا عالم ہے

دنیا میں شاید کوئی تبدیلی آنے والی ہے..... وجہ یہ ہے کہ ہر طرف افراتفری اور بے یقینی کا عالم ہے..... آپ خبریں دیکھیں تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا..... امریکہ کہاں

جا رہا ہے اور کیا چاہتا ہے؟..... روس کی پالیسی کیا ہے؟ چین کی منزل کیا ہے؟..... انڈیا کس طرف جا رہا ہے؟ ..... پاکستان میں کون حکمران ہے اور کون غلام؟ کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟..... آج کوئی بھی دانشور یا باخبر انسان ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا..... ہر ملک میں عجیب وغریب حالات ہیں..... زمانے اور زمین کی تیزی نے لوگوں کی عقلیں اُڑا دی ہیں..... ہر ملک کے داخلی ادارے ایک دوسرے کے خلاف لڑ رہے ہیں..... ہر کوئی بے چین اور پریشان ہے..... لوگ جن کو خوش اور کامیاب سمجھ رہے ہیں..... وہی لوگ چھپ چھپ کر خودکشیاں کر رہے ہیں..... دوسروں کو ہنسانے والے خود تنہائی میں رو رو کر مر رہے ہیں..... ظاہری طور پر خوب چمک دمک والی زندگی گزارنے والے..... اداسیوں اور غموں کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے ہیں..... انسان اس دنیا کی سب سے بے قیمت چیز بن چکا ہے..... حرص اس قدر بڑھ چکی ہے کہ انسان کو مار کر ہی دم لیتی ہے..... وہ اعمال جن کی وجہ سے ماضی کی قومیں تباہ ہوئیں..... دوبارہ منظم ہو رہے ہیں..... کسی شخص کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم نہیں ہے..... بظاہر بہت روشنی ہے مگر اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہے..... یہ وہ حالات ہیں جو اس بات کی خبر دے رہے ہیں کہ زمین پر کوئی بڑی تبدیلی آنے والی ہے..... اللہ کرے خیر والی تبدیلی ہو..... بہرحال ایسے حالات میں حالات حاضرہ پر کچھ لکھنا مشکل ہو جاتا ہے..... اسی لئے وہ باتیں لکھی جاتی ہیں جن سے ہمیں فائدہ ہو..... ذاتی فائدہ، حقیقی فائدہ، اجتماعی فائدہ.....

سخت پریشانیوں کا ایک علاج

اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتے..... مگر بندے خود اپنی جان پر بہت ظلم کرتے ہیں..... پھر جب درد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ناراض ہوتے ہیں..... اور اللہ تعالیٰ سے شکوے کرتے ہیں..... ایک شخص سخت غمگین، سخت پریشان..... ہر وقت لوگوں کے شکوے اور حالات کا رونا..... ان سے بات چیت ہوئی تو معلوم ہوا کہ..... وظیفے بہت کرتے ہیں..... اور وظیفے بھی دشمنوں کی بربادی کے..... مجھے ایک بزرگ اللہ والے نے فرمایا تھا کہ..... کبھی کسی کے لئے بددعاء نہ کرنا..... ان شاء اللہ ہمیشہ خیر رہے گی..... وجہ یہ ہے کہ..... ہم میں سے ہر شخص کا بڑا دشمن آج کل خود اس کا اپنا نفس ہے..... پھر جب ہم دشمنوں کی بربادی کے وظیفے کرتے ہیں تو ان وظیفوں کا شکار..... ہم خود ہی ہو جاتے ہیں..... کیونکہ وظیفے دشمن کے خلاف تھے..... اور ہمارا دشمن اور کوئی نہیں بلکہ ہم خود ہی ہیں..... اور یوں بربادی بھی اپنی ہوتی ہے..... اگر ہم نے محنت کر کے..... اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے نفس کو پاک کیا ہوتا..... اس کا ''تزکیہ'' کیا ہوتا..... اسے اپنا دشمن نہیں بلکہ دوست بنایا ہوتا..... اور کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے دشمنی نہ کی ہوتی..... بلکہ صرف اللہ، رسول اور دین کے دشمنوں کو اپنا دشمن بنایا ہوتا تو..... دشمنوں کے خلاف وظیفے بھی ٹھیک رہتے اور بددعائیں بھی ..... دشمنان دین کے خلاف بددعاء کرنا یہ سنت ہے..... لیکن جب دشمنی کا معاملہ شریعت کے خلاف ہے تو پھر..... دشمنوں کے خلاف

وظیفے اور بددعائیں کرنے میں احتیاط کریں..... آج کل کئی لوگ..... اس طرح کے وظیفوں کی وجہ سے..... بڑی سخت پریشانیوں کا شکار ہیں..... یاد رکھیں کہ..... غیر مسنون وظیفے ''دوائیوں'' کی طرح ہیں..... کوئی دواء کسی کو فائدہ دیتی ہے اور کسی کو نقصان..... اچھا تو یہ ہے کہ'' غیر مسنون وظیفے'' کریں ہی نا..... بس قرآن مجید کی تلاوت کریں..... اور جو اذکار حضرت آقا مدنی ﷺ نے تلقین فرمائے ہیں انہی کو اپنے لئے کافی سمجھیں..... پھر بھی اگر کوئی ''غیر مسنون وظیفہ'' کرنا چاہیں تو دو کام ضرور کر لیں..... (۱) استخارہ (۲) استشارہ..... یعنی استخارہ کریں کہ مجھے یہ وظیفہ کرنا چاہیے یا نہیں؟..... اور پھر کسی صاحب علم، صاحب دل شخص سے مشورہ کریں کہ مجھے یہ وظیفہ کرنا چاہیے یا نہیں؟..... آپ نے دیکھا ہوگا کہ..... زیادہ وظیفے کرنے والے اکثر پریشان حال ہوتے ہیں..... وجہ یہ ہے کہ..... لوگ کلمات کی تاثیر نہیں سمجھتے..... بعض کلمات اور دعائیں ستاروں کی طرح ہوتی ہیں..... بعض سورج کی طرح..... بعض پانی اور بعض آگ کی طرح..... اب پانی اور آگ جمع کریں گے تو..... بھاپ ضرور بنے گی..... ستاروں پر سورج چمکائیں گے تو..... ستارے گم ہو جائیں گے..... اس لئے اپنے اوپر رحم کریں..... ہر کسی کا بتایا ہوا وظیفہ شروع نہ کر دیں..... بلکہ اپنے وقت کو دین سیکھنے، دین سمجھنے اور دین کی خدمت کے لئے وقف کریں..... اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت کریں..... اپنا دل بغض اور کینے سے پاک رکھیں..... جہاد کا کام زیادہ کریں..... اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچائیں.....

الحمد للہ مسنون دعائیں..... اور مسنون اذکار ہمارے لئے بہت ہیں، کافی ہیں، وافی ہیں..... اور ان کی تاثیر اور طاقت بھی..... غیر مسنون وظیفوں سے بہت زیادہ ہے..... آپ صرف چند دن..... ہر نماز کے بعد مسنون تسبیحات فاطمی کا اہتمام کر کے دیکھ لیں..... کسی بھی نماز کے بعد..... یہ تسبیحات نہ چھوٹیں..... سبحان اللہ، الحمد اللہ، اللہ اکبر..... تینتیس تینتیس اور چونتیس بار..... آپ تین دن بعد اپنے دل کا جائزہ لیں تو عجیب قسم کی قوت اور نور محسوس کریں گے.....

ایک اور پریشانی کا علاج

مالی پریشانی کافی سخت ہوتی ہے..... اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پریشانی سے بچائے..... مالی پریشانی کے مختلف درجات ہیں..... بعض لوگ روٹی کپڑے تک کے معاملے میں پریشان ہوتے ہیں..... جبکہ کئی لوگوں کو..... مال بڑھانے اور مال بچانے کی فکر دن رات کھاتی رہتی ہے.....

خیر یہ ایک الگ موضوع ہے..... آج یہ عرض کرنا ہے کہ..... مالی پریشانی دور کرنے کا ایک بہترین علاج یہ ہے کہ..... اپنی مالی پریشانی کسی کو بھی نہ بتائی جائے..... اور کسی کے سامنے مال کی کمی، مال کی تنگی یا مال کے نقصان کا تذکرہ نہ کیا جائے..... یہ بڑا عجیب، مؤثر اور عجیب عمل ہے..... جو بھی اسے اپناتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غنی ہو جاتا ہے..... مگر بظاہر آسان نظر آنے والا یہ عمل کافی مشکل ہے..... اور اکثر لوگ اس پر عمل نہیں کر

پاتے..... یہ عمل کیوں مشکل ہے اس کی تفصیل میں پڑے بغیر.....بس اتنا عرض ہے کہ.....مخلوق ہماری کوئی حاجت پوری نہیں کرسکتی ..... حاجت صرف اللہ تعالیٰ پوری فرما سکتا ہے..... جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہماری حاجت پوری نہیں کرسکتا تو پھر..... کسی کے سامنے رونے، دھونے ، شکوے کرنے کا کیا فائدہ؟..... بیج زمین میں ڈالا جائے تو پودا نکلتا ہے.....لیکن اگر بیج کو بستر یا گدے پر ڈال دیں تو کیا فائدہ؟.....دوسری بات یہ کہ شکر سے نعمت بڑھتی ہے جبکہ شکوہ کرنا.....شکر کے خلاف ہے.....ظاہر ہے کہ اس سے نعمت گھٹے گی..... تیسری بات یہ ہے کہ.....اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو ایک ''وقار'' اور ایک ''عزت'' عطاء فرمائی ہے..... جو انسان اپنے اس ''وقار'' کی اور عزت کی حفاظت کرے.....اللہ تعالیٰ اس کے وقار اور عزت کو قائم رکھتے ہیں اور بڑھاتے ہیں..... اور جو اپنے ''وقار'' کو ضائع کردے تو..... پھر وہ ساری زندگی اسے ترستا ہی رہتا ہے..... لوگوں سے سوال کرنا..... یا کسی اشارے سے مانگنا..... یہ سب ''انسانی وقار'' کے خلاف ہے.....

دوسرا نسخہ

مال کی تنگی دور کرانے کا دوسرا مسنون نسخہ یہ ہے کہ ..... مال ضائع نہ کریں.....نہ ایک قطرہ پانی، نہ ایک لقمہ روٹی.....نہ ایک دانہ چاول، نہ ایک یونٹ بجلی.....ویسے تو ایک مسلمان کو بارش کی طرح سخی ہونا چاہیے.....مگر مال کو ضائع کرنے کے معاملے میں اسے حد درجہ کنجوس ہونا چاہیے..... وجہ یہ ہے کہ..... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے جن چیزوں کو مکروہ اور ناپسندیدہ فرماتے ہیں..... ان میں سے ایک چیز..... مال ضائع کرنا ہے..... یہ بات احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے.....پس جو انسان اللہ تعالیٰ کی رضاء کو مقصود بنا کر..... مال کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں.....اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ''برکات'' ملتی ہیں.....

وہ مسلمان جو مال کی تنگی کا شکار ہیں.....آج سے ہی اس عمل پر مضبوطی اختیار کرلیں تو چند دن میں.....ان شاء اللہ..... ان کی تنگی دور ہو جائے گی ..... گھر میں بجلی کا استعمال ہو یا پانی کا.....موبائل کارڈ ہو یا.....دسترخوان کا کھانا..... وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال کی سونے چاندی کی طرح قدر کریں..... اور ایک پیسہ بھی فضول ضائع نہ ہونے دیں..... کہتے ہیں کہ.....ایک بزرگ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! رزق کی تنگی ہے.....کوئی وظیفہ ارشاد فرمادیں.....

(اگر مقصد صرف دینی رہنمائی اور عمل پوچھنا ہو تو اس طرح اپنی مالی تنگی بتانے میں کوئی حرج نہیں)

بزرگوں نے فرمایا کہ..... جب بھی گھر میں کھانا پکاؤ تو صرف چاول پکایا کرو..... اور کچھ نہیں ..... بس یہی علاج ہے..... وہ شخص چلا گیا..... کچھ دیر بعد ایک اور شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت! رزق بہت زیادہ ہو گیا ہے..... میں حساب کتاب اور سنبھالنے سے تنگ آ جاتا ہوں..... کوئی عمل بتائیں کہ رزق کم ہو جائے..... بزرگوں نے فرمایا.....جب بھی گھر میں کھانا پکاؤ تو صرف

چاول پکایا کرو ..... اور کچھ نہیں ..... بس یہی علاج ہے..... وہ شخص بھی چلا گیا..... حاضرین مجلس حیران تھے کہ مرض الگ الگ تھا..... مگر حضرت نے ''دواء'' ایک ہی تجویز فرمائی..... خیر کچھ عرصہ کے بعد غریب شخص آیا اور شکریہ ادا کرنے لگا کہ..... اس کا کام بن گیا ہے..... اور اللہ تعالیٰ نے اسے ''غنی'' فرما دیا ہے..... پھر مالدار شخص آیا اور اس نے بھی شکریہ ادا کیا کہ..... میرا مال اب بہت کم ہو گیا ہے..... حاضرین مجلس نے حضرت سے اس علاج کی حکمت پوچھی..... فرمایا: غریب آدمی کے پاس مال بہت کم تھا جب اس نے چاول پکائے تو..... ایک ایک دانے کی حفاظت کی..... دھوتے وقت کوئی دانہ نہ گر جائے..... پھر کھاتے وقت کوئی دانہ ضائع نہ ہو..... دستر خوان پر جو چاول گرتے وہ اُٹھا اُٹھا کر کھاتا..... ایک ایک چاول اُٹھا کر دوبارہ کھانے سے بار بار..... گرے ہوئے لقمے اُٹھا کر کھانے کی سنت زندہ ہوئی..... بس اس قدردانی نے..... اللہ تعالیٰ کی رحمت کو متوجہ فرمایا..... اور اسے غنی فرما دیا گیا..... دوسری طرف مالدار نے دیگیں بھر کر چاول پکائے اور اس میں دھونے سے لے کر..... کھانے تک بے شمار دانے ضائع کئے..... کیونکہ اسے کوئی کمی نہیں تھی..... اس لئے ناقدری کرتا رہا تو..... اس کے رزق کی لگامیں کھینچ لی گئیں..... یہ قصہ یہاں ختم ہوا ..... معلوم نہیں یہ قصہ سچا ہے یا کسی نے بات سمجھانے کے لئے..... بطور تمثیل اسے بنایا ہے..... مگر اس میں جو سبق ہے وہ بے شک سچا ہے..... یہاں کئی لوگ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ..... بہت سے مالدار ڈھیروں مال اور رزق ضائع کرتے ہیں..... مگر ان کا مال کم نہیں ہوتا..... جواب یہ ہے کہ..... مال کا کم یا زیادہ ہونا الگ چیز ہے..... جبکہ رزق میں تنگی اور وسعت ایک الگ چیز ہے..... کئی لوگوں کے پاس مال بہت زیادہ ہوتا ہے مگر اُن کا رزق تنگ ہوتا ہے..... وہ طرح طرح کی بیماریوں کی وجہ سے اس مال سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے..... وہ ایک غریب آدمی سے بھی کم کھا سکتے ہیں..... اور اُن کے دل میں..... جو گھٹن اور مزید مال کی خواہش ہوتی ہے وہ انہیں کبھی وسعت اور فراخی کا احساس تک نہیں ہونے دیتی..... بلکہ اُن کا مال اُن کے لئے طرح طرح کی پریشانیوں، بیماریوں اور خطرات کا ذریعہ بنا رہتا ہے..... میں نے ایک اربوں پتی شخص کا انٹرویو پڑھا..... وہ کہہ رہا تھا کہ لوگ مجھے خوش سمجھتے ہیں ..... حالانکہ میری زندگی بے انتہا مشکل ہے..... کوئی شخص ایسی مشکلات ایک دن بھی برداشت نہیں کر سکتا.....

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ..... بندہ اللہ تعالیٰ سے راضی اور خوش رہے..... اور اپنے برے حالات کی وجہ ..... خود اپنی ذات میں تلاش کرے..... اور پھر اس کی اصلاح کی کوشش کرے.....

لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

☆.....☆.....☆

طوطائی عید

محمد فیصل علی

ایک ہلکی پھلکی مزاحیہ تحریر

یہ کہانی ہے انصر ،نعمان اور کاشف کی۔وہ تینوں ایک گاؤں میں رہتے تھے۔وہ گاؤں شہر سے کافی دور تھا۔تینوں ایک مدرسے میں قرآن مجید کے طالب علم تھے۔وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا۔

اس سال رمضان المبارک گرمیوں میں آیا تھا۔ سخت گرمیاں پڑ رہی تھیں۔روزے دار صبر کی تصویر بنے روزے رکھ رہے تھے اور خوب اجر کما رہے تھے۔ان دنوں نعمان اور کاشف پہ ایک جنون سوار تھا کہ ان کے پاس ایک طوطا ہونا چاہیے۔ایک خوب صورت اور بولنے والا طوطا۔ان کے ہم مکتب دوست انصر نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ انہیں ایک طوطا ضرور ڈھونڈ دے گا۔انصر اس قسم کے کاموں میں بڑا ماہر تھا اور اسی نے کہا تھا کہ اسے طوطوں کے ایک گھونسلے کا پتہ ہے اور وہ وہاں سے ایک طوطا لا سکتا ہے۔

ایک روز کی بات ہے کہ دوپہر کا وقت تھا۔سورج زمین پر اپنی انگارہ نما شعاعیں ڈال رہا تھا۔یہ جون کے مہینے کی گرمی تھی۔چہار سو آگ کی سی تپش پھیلی ہوئی تھی۔مسجد سے چھٹی ہو چکی تھی۔کچھ بچے تو وہیں مدرسہ کے برآمدے میں ہی سو گئے تھے جب کہ کچھ اپنے گھروں کی راہ لے رہے تھے۔انہوں نے اپنے رومال پانی میں بھگو کر سر پہ ڈال رکھے تھے تاکہ گرمی کی حدت سے بچ سکیں۔انصر ،نعمان اور کاشف بھی گھروں کو روانہ تھے۔اس وقت ان کے درمیان اسی اہم ''طوطائی'' معاملہ پہ گفتگو چل رہی تھی،گفتگو صرف چل نہیں رہی تھی بلکہ زور وشو

رسے بھاگ رہی تھی، مطلب وہ تینوں دنیا جہان سے بے خبر باتوں کے گھوڑے ہانکتے جا رہے تھے۔

''میں نے کہا تو ہے کہ میں تمہیں طوطا ضرور لا دوں گا۔'' انصر نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔لیکن کیا وہ باتیں بھی کرے گا؟'' کاشف نے پوچھا۔

''یہ تو مجھے پتہ نہیں ہے، غالباً یہ تو سکھانے سے ہو سکے گا۔'' انصر نے نفی میں سر ہلایا۔

''چلو ٹھیک ہے، ہم تمہیں پچاس روپے دے دیں گے۔'' نعمان نے کہا۔

''ٹھیک ہے، کیا تم دیکھنا پسند کرو گے؟ ویسے ابھی وہ طوطا بالکل چھوٹا سا ہے'' انصر نے انہیں دعوت دی۔

''کیوں نہیں لیکن'' کاشف نے رک کر اپنے کزن نعمان کو دیکھا۔

''لیکن کیا؟'' انصر نے حیرانی سے پوچھا۔

''اس وقت وہاں جانا۔۔۔مطلب میرا خیال ہے کہ ہمیں اس وقت وہاں نہیں جانا چاہیے۔ یہ دوپہر کا وقت ہے اور ہم جانا چاہ رہے ہیں قبرستان۔ نہ بابا نہ، میں تو نہیں جاؤں گا، مجھے ڈر لگتا ہے۔'' کاشف نے کہا۔

انصر انہیں پہلے بتا چکا تھا کہ طوطا قبرستان میں موجود ایک درخت کی کھوہ میں ہے۔کاشف کے انکار کے بعد نعمان نے بھی اثبات میں سر ہلا کر اس کی تائید کی اور بولا:

''بھائی! عصر کی چھٹی کے بعد چلیں گے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔'' انصر نے کہا اور وہ تینوں خاموش ہو گئے۔

عصر کی نماز کے بعد وہ تینوں قبرستان جا پہنچے، جہاں ایک درخت کی کھوہ میں طوطے کا گھونسلہ بنا ہوا تھا۔ گھونسلہ کچھ اونچائی پر تھا۔انصر تھوڑی سی تگ و دو کے بعد گھونسلے تک پہنچ گیا، ساتھ ہی اس نے دانت نکال کر اپنی فتح کا اعلان کیا۔

''یہ دیکھو طوطے کا بچہ، کتنا پیارا ہے؟'' انصر نے گھونسلے میں ہاتھ ڈال کر ایک طوطا اٹھا کر دکھایا تھا۔ ظاہری نظر میں یہ ایک گوشت کا لوتھڑا سا تھا۔انہوں نے غور سے دیکھا تو پھر کہیں جا کر اس کے نقش واضح ہوئے۔ یہ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔اس کے جسم پہ بال و پر نہیں تھے۔ اس ننھے پرندے نے اپنی آنکھیں بھی بند کی ہوئی تھیں۔ اور وہ بار بار اپنا منہ کھول رہا تھا۔اس کے انداز سے بے چینی نمایاں تھی۔شاید اسے بھوک لگی ہو گی لیکن اس وقت اس کے ماں باپ وہاں نہیں تھے۔

''یہ طوطا ہے کیا؟''

نعمان نے بے یقینی کے عالم میں کہا۔

''ہاں ہاں، کچھ دنوں بعد اس کے پر نکل آئیں گے اور یہ سبز سبز نظر آنے لگے گا بالکل اصلی طوطوں کی طرح۔'' انصر نے پرزور لہجے میں کہا۔

''اچھا!!'' نعمان نے کہا۔اس کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ اسے اب بھی یقین نہیں ہے۔

''ہم کب تک اسے اٹھا سکتے ہیں؟''

کاشف نے پوچھا۔

''آج سے ایک ہفتے بعد۔''

انصر نے فوراً جواب دیا۔

''ٹھیک ہے، یہ لو بیس روپے، باقی تیس روپے تب ، جب ہم طوطا اٹھائیں گے۔'' نعمان نے کہا۔

''ٹھیک ہے، اور ہاں میرے بغیر اکیلے یہاں نہ آنا ورنہ تمہیں کالے جن نے چمٹ جانا ہے۔''

انصر نے بیس روپے جیب میں ٹھونستے ہوئے انہیں ڈرایا اور وہ دونوں ہاں میں سر ہلانے لگے۔

❁❁❁

عید سر پر آ چکی تھی۔ بس چند روز ہی رہ گئے تھے۔ ایک روز نعمان نے کاشف سے کہا:

''میں تو کل ابو کے ساتھ شہر جا رہا ہوں''

''ارے واہ!! کیا کرنے بھلا؟'' کاشف نے پوچھا۔

''عید کے لیے کپڑے اور جوتے لینے'' نعمان نے چہک کر بتایا۔

''میں بھی جاؤں گا تمہارے ساتھ، میں آج ہی ابو سے بات کرتا ہوں۔'' کاشف نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں، کرلو بات ،ہم نے کل جانا ہے ،یعنی پچیسویں روزے کو۔'' نعمان نے کہا اور کاشف سر ہلانے لگا۔

❁❁❁

اگلے روز نعمان اور کاشف شہر جا پہنچے۔ بازار میں بڑا رش تھا۔ پاؤں رکھنے کی جگہ تک نہ تھی۔ نعمان اور کاشف ایک لمبا سفر کر کے یہاں پہنچے تھے۔ کاشف نے اپنے ابو سے کچھ پیسے لے لیے تھے تا کہ وہ بھی اپنے لیے نئے کپڑے اور جوتے خرید سکے۔ چونکہ وہ بازار پہلی بار آیا تھا اس لیے اس کے چہرے پہ حیرت ہی حیرت تھی۔

وہ اردگرد کی چیزوں کو دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا۔ کئی بار تو وہ چلتے چلتے گر پڑتا تھا۔ نعمان کے ابو نے دو تین بار اسے کہا کہ ''بیٹا رش بہت ہے، ہمارے ساتھ رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ہم سے بچھڑ جاؤ۔''

کاشف نے ''جی چچا'' تو کہہ دیا تھا مگر وہ بازار کے طلسمی ماحول کو دیکھ کر پھر اسی میں کھو جاتا تھا۔

اسی دوران ایک دکان پہ کاشف کو ایک شان دار جوتا نظر آیا، جوتے کو دیکھ کر وہ اس طرف متوجہ ہو گیا۔ یہ ایک ایسا جوتا تھا جس کے تلوے میں رنگا رنگ لائٹیں جل بجھ رہی تھیں۔ وہ اس طرف لپکا اور دکان دار سے جوتا دکھانے کا مطالبہ کرنے لگا۔ دکان دار نے اسے جوتا دکھا دیا۔ اس نے جوتا دیکھا اور اس کی قیمت بھی پوچھ لی۔ اسے وہ جوتا بے حد پسند آیا۔ وہ اسے ہر صورت میں خریدنا چاہتا تھا۔ اسی لمحے اچانک ہی اسے چچا جی کا خیال آیا، وہ بری طرح سے چونکا، یوں لگا جیسے اس کا خواب ٹوٹ گیا ہو۔ وہ تو وہاں اکیلا کھڑا تھا۔ اس کے چاروں طرف اجنبی چہرے تھے۔ وہاں نہ تو نعمان تھا نہ ہی اس کے ابو۔ وہ تو بہت آگے نکل چکے تھے۔ اب تو وہ بہت پریشان ہو گیا۔ وہ حواس باختہ ہو کر ہجوم کے درمیان سے نکلتا ہوا آگے بڑھنے لگا، مگر وہاں تو بھول بھلیوں کی طرح کئی گلیاں تھیں جو دائیں بائیں نکل رہی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر وہ ایک جگہ رک کر زور زور سے

رونے لگا۔اس دوران اس کے ذہن میں طرح طرح کی باتیں گھومنے لگیں۔اچانک اسے طوطے کا وہ ننھا منا سا بچہ یاد آ گیا۔یہ سب یاد کرتے ہی اس کی آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہے جو اس کے رخساروں پہ پھسلنے لگے۔اسی وقت کسی نے اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ لیا۔کاشف نے دیکھا وہ ایک اجنبی شخص تھا۔کاشف کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔

❁❁❁

ادھر نعمان اور اس کے ابو اپنے خیالوں میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔انہیں کیا خبر کہ کاشف پیچھے رہ گیا ہے۔تین چار منٹ بعد انہوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کاشف غائب تھا۔نعمان کاشف کو اپنے سگے بھائیوں جیسا سمجھتا تھا۔وہ پہلے تو کاشف کو ڈھونڈتا رہا مگر جب وہ اسے نہ ملا تو وہ بری طرح سے رونے لگا۔اس کے ابو نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی کہ وہ کاشف کو جلد ہی تلاش کر لیں گے،مگر نعمان کو صبر ہی نہیں آ رہا تھا۔وہ رو رہا تھا کہ اس دوران اسے ایک خیال آیا۔جی ہاں طوطے کا خیال،اس ننھے منے بچے کا خیال جسے وہ اس کی ماں سے جدا کرنے کا سودا کر چکے تھے۔وہ دل ہی دل میں توبہ استغفار کرنے لگا اور اللہ تعالی سے کاشف کے لیے دعائیں کرنے لگا۔

نعمان کے ابو نے فوراً ایک نزدیکی مسجد کا رخ کیا۔مسجد بازار کے درمیان ہی تھی۔انہوں نے مسجد کے موذن کو کاشف کا حلیہ بتایا تاکہ وہ اس کی گم شدگی کا اعلان کرا سکیں۔عین اسی لمحے ایک آدمی کاشف کا بازو سے پکڑے مسجد کے احاطے میں داخل ہوا۔غالباً یہ ایک دکان دار تھا۔اس نے جب کاشف کو روتے دیکھا تھا تو اسے پکڑ کر مسجد لے آیا تاکہ اعلان کرا کر اس کے سرپرستوں کو آگاہ کیا جا سکے مگر اعلان کی نوبت ہی نہ آئی اور اللہ تعالیٰ نے کاشف کو اس کے بھائی نعمان سے ملا دیا۔انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر دوبارہ سے خرید وفروخت کرنے لگے۔جلد ہی وہ کپڑے جوتے لیے اپنے گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔اس گم شدگی سے دونوں نے ایک سبق سیکھا تھا جس کے اثرات جلد ظاہر ہونے والے تھے۔

❁❁❁

''کل عید ہے بھائیو! کل صبح ہی میں طوطا تمہارے حوالے کر دوں گا'' انصر ان دونوں کے سر پہ کھڑا اعلان کر رہا تھا۔دونوں نے ایک دوسرے کو معنیٰ خیز نگاہوں سے دیکھا اور مسکرا دیئے۔

''ٹھیک ہے۔'' نعمان نے کہا۔

''پیسے تیار ہیں ناں؟'' انصر نے اپنے مطلب کی بات پوچھی اور گویا تسلی چاہی۔

''ہاں ہاں، بے فکر رہو!'' کاشف ہنسا۔

اگلے روز عید تھی۔ایک خوش گوار صبح۔آج موسم بھی ٹھنڈا ٹھنڈا تھا۔بادلوں نے گرمی کی حدت چھپا دی تھی۔ٹھنڈی ہوائیں یہ خبر دے رہی تھیں کہ قرب وجوار میں کہیں بارش برس رہی ہے۔عید نماز کے بعد انصر ان

دونوں کو لیے قبرستان جا پہنچا۔ جلد ہی وہ طوطے کے گھونسلے کے سامنے کھڑے تھے۔ آج تو وہاں طوطا اور طوطی بھی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر انصر نے ایک ڈنڈا اٹھالیا تاکہ انہیں اڑا سکے۔ اس سے پہلے کہ وہ درخت پہ چڑھتا، نعمان نے کہا:

''انصر دوست! میں نے تمہیں کاشف کے گم ہونے کا بتایا تھا ناں؟''

''ہاں ہاں، مگر۔۔۔۔'' انصر نے اسے تحیر بھری نگاہوں سے دیکھا جیسے اسے اس بے محل بات کی سمجھ نہ آئی ہو۔

''تو میں بتانا یہ چاہتا تھا کہ ہم دونوں نے طوطا نہ لینے کا فیصلہ کیا ہے'' نعمان نے کہا تو انصر اچھل پڑا۔

''یہ کیا بات ہوئی، تم دونوں کیا کہہ رہے ہو؟'' انصر نے اکھڑتے ہوئے انداز میں کہا۔

''ہاں انصر! ہم نے سوچا کہ اگر ہم ایک چھوٹے سے بچے کو اس کی ماں سے جدا کریں گے، یہ کتنی بری بات ہوگی، لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم ایسا نہیں کریں گے۔'' کاشف نے احساس ہمدردی سے لبریز لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے، مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے، نہ لو طوطا، مگر یاد رہے، یہ پہاڑی طوطا ہے'' انصر نے برا سا منہ بنایا۔ ساتھ ہی اس نے ایک نیا لالچ بھی دے دیا کہ شاید ان دونوں کا ذہن بدل جائے۔

''شکریہ، اب ہم چلیں!'' نعمان نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''بھلے آدمی! جب تم نے طوطا لینا نہیں تھا تو مجھے یہاں تک لائے کیوں ہو؟'' انصر نے ایک بار پھر اپنا غصہ نکالنے کی راہ تلاش کی۔

''عید مبارک کہنے'' کاشف ہنسا۔

''کیا؟ کسے؟ کون سی عید؟'' انصر نے غصے سے کہا۔

''طوطوں کو میرے پیارے طوطے!'' نعمان نے اس کے غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا۔

''ہاں انصر! ہم نے سوچا کہ ہمیں بولنے والے طوطے کی کیا ضرورت؟ تم ہو ناں!'' کاشف ہنس کر بولا۔ ان دونوں کا یہ انداز دیکھ کر انصر کا غصہ غائب ہوگیا۔ وہ بھی قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''چل میرے طوطے! ان بیس روپوں کی چوری کھلاتے ہیں تمہیں۔'' کاشف نے انصر کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور وہ تینوں ہنستے ہوئے واپس چل دیئے۔ اسی لمحے گھونسلے والے طوطوں نے کچھ چہچہاہٹ کی۔ ان کی آواز سن کر وہ تینوں پیچھے مڑے، انہیں یوں لگا جیسے طوطے کچھ کہہ رہے ہوں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں انصر؟''

نعمان نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ کہہ رہے ہیں ''طوطائی عید مبارک!'' انصر کے منہ سے فی البدیہہ نکلا اور اس کی یہ بات سن کر نعمان اور کاشف ہنس پڑے۔ آج بھی جب انہیں یہ واقعہ یاد آتا ہے تو وہ بے ساختہ ہنس پڑتے ہیں اور کافی دیر ہنستے چلے جاتے ہیں۔

❁❁❁

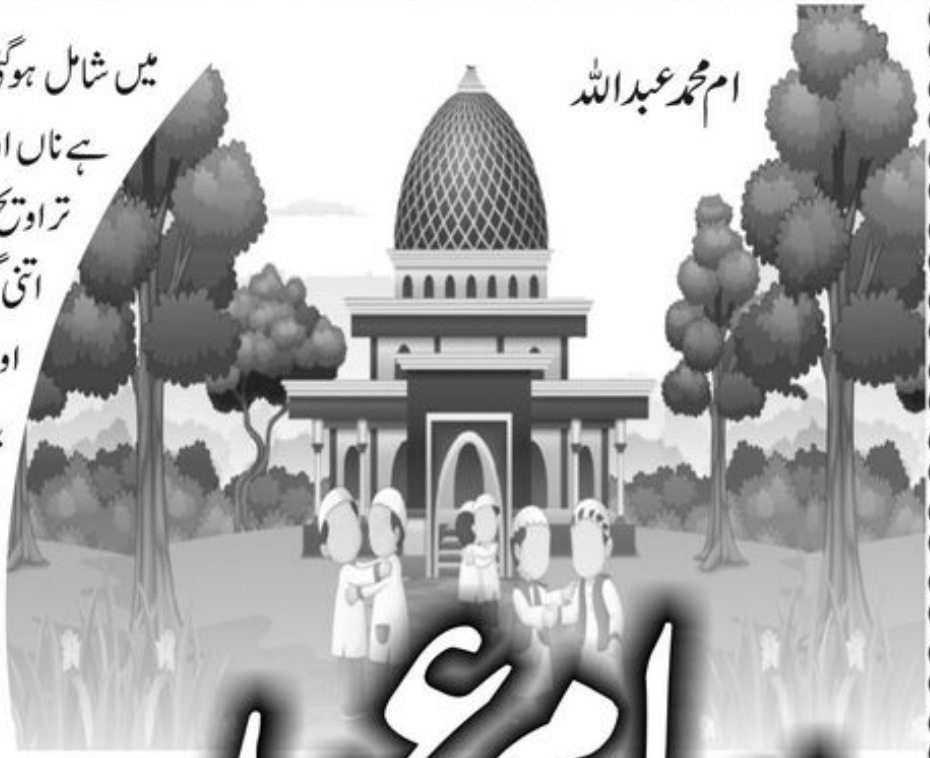

پیام عید

ام محمد عبداللہ

صفحے پر جابجا آنسوؤں کے دھبے تھے۔ عائلہ کی آواز بھی لرز رہی تھی۔ دانیال منہ کھولے جیسے بت بن چکا تھا۔

"بڑا مشکل کام ہے یہ روزے رکھنا۔ بڑی اماں آپ تو اب کافی بوڑھی ہو چکی ہیں۔ آپ کے لیے تو سہولت ہے، نہ رکھا کریں روزے۔"

اپنی دھن میں بولتا دانیال بڑی اماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے قطعی ناواقف تھا۔

سونے پر سہاگہ اس کی چھوٹی بہن عائلہ بھی گفتگو میں شامل ہوگئی تھی۔ "نمازیں پڑھنا بڑا آسان ہے ناں اور یہ رمضان میں تو محترمہ امی جان تراویح پڑھائے بغیر بھی نہیں چھوڑتیں۔ اتنی گرمی، لوڈ شیڈنگ سکول کی پڑھائی اور اف یہ رمضان۔" عائلہ نے منہ بنایا۔ اسے اس سال میٹرک کے بورڈ کے امتحانات دینا تھے۔

"سکول کی پڑھائی سے گھبرا رہی ہو میری طرح سیکنڈ ائیر میں پہنچو گی تو پتہ چلے گا کالج کی پڑھائی کتنی سخت ہوتی ہے۔" دانیال نے چھوٹی بہن پر رعب ڈالا۔

"اچھا تو بڑی اماں میں آپ سے کہہ رہا تھا کہ آپ اتنی کمزور اور بوڑھی ہو چکی ہیں نہیں رکھیں روزے۔" دانیال ایک بار پھر بڑی اماں سے مخاطب تھا۔ بڑی اماں ان کی رشتہ دار نہ تھیں بلکہ ان کی دادی جان کی کوئی دیرینہ سہیلی تھیں۔ دادی جان کی وفات کے بعد چونکہ وہ گاؤں میں بالکل اکیلی رہ گئی تھیں اس لیے امی جان اصرار کر کے انہیں اپنے ساتھ لے آئی تھیں۔ خاموش اور ہمدرد طبیعت کے باعث بچے ان سے انسیت محسوس کرنے لگے تھے اور بے تکلفی سے ہر بات کہہ دیتے۔ وہ کبھی مسکرا دیتیں۔ کبھی کوئی مختصر سا جواب اور کبھی خاموش ہو جاتیں۔

لیکن آج تو بچے باقاعدہ ان کے ساتھ روزوں سے متعلق بحث کرنے لگے تھے۔ "میرے روزے نہ رکھنے

سے آپ دونوں کو کیا فائدہ ہوگا بھلا؟" بالآخر انہوں نے پوچھا۔ "ہمیں خوشی ہوگی کہ اتنی گرمی میں کوئی ٹھنڈا پانی پی رہا ہے۔" عائلہ ہنسی۔ "ایسے نہیں کہتے۔ بس اب تو تھوڑے روزے رہ گئے ہیں پھر عید کی خوشی ملے گی تم دونوں کو اور پھر وہی کھانے پینے کی آزادی۔ روزے تو گنے چنے چند دنوں کی بات ہے۔" بڑی اماں نے انہیں سمجھایا۔

"عید سے یاد آیا۔ میری چوڑیاں اور مہندی لانے والی ہے۔" عائلہ بولی۔ "عید کا دن کتنا بورنگ ہوتا ہے ناں عائلہ۔" دانیال بہن سے مخاطب تھا۔ "بڑی اماں آپ چھوٹے ہوتے کیسے عید مناتی تھیں؟"

عائلہ اب بڑی اماں کی بچپن کی عید کے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ بچے اپنی ترنگ میں بولے جا رہے تھے کہ ابا جان کی آمد نے انہیں خاموش ہونے پر مجبور کر دیا۔ بڑی اماں کی آنکھوں سے چند آنسو بہہ کر ان کے سفید دوپٹے میں جذب ہو گئے تھے۔

رمضان المبارک کا آخری عشرہ بھی جیسے پر لگا کر اڑا جا رہا تھا۔ روزہ، نماز، تراویح، ذکر، تلاوت اور پڑھائی۔ بچے خوب تھک چکے تھے۔ "اللہ جی کل عید ہو جائے۔ میں تو جی بھر کر نیند پوری کروں گا۔" یہ دانیال تھا "اور میں ٹی وی پر عید شو دیکھوں گی۔" عائلہ کا اپنا منصوبہ تھا۔

"دانیال، عائلہ!" بڑی اماں نے بچوں کو پکارا۔ وہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہی تھیں۔ آنکھیں نہایت سوجی ہوئی اور سرخ تھیں جیسے وہ بہت دیر روتی رہی ہوں۔ وہ حیرت سے ان کی جانب متوجہ ہوئے۔ "تم دونوں اس دن میری عید کا احوال پوچھ رہے تھے۔ میں بول کر تو شاید نہ بتا پاتی اس لیے اپنی بچپن کی یادگار عید کی کہانی یہاں لکھ دی ہے تم دونوں پڑھ لو۔" انہوں نے ایک ڈائری بچوں کی جانب بڑھائی۔ دانیال نے ڈائری ان کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے عائلہ کو مخاطب کیا۔ "آؤ عائلہ کمرے میں جا کر پڑھتے ہیں۔"

پیام عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے
ہلال عید ہماری ہنسی اڑاتا ہے

عائلہ پڑھنے لگی تھی۔ "پیارے بچو!

تمہیں 2022 کی عید الفطر مبارک ہو۔ میرے ساتھ ماہ و سال کی الٹی گنتی گنو کہ ماضی میں سفر کرتے ہوئے میں تمہیں اپنے بچپن کی عیدوں کا احوال سناؤں۔ میں جب بچی تھی۔ میری اماں ہم بہنوں کے لیے خوبصورت گوٹے کناری والے لباس تیار کرتیں۔ پورے سال میں ایک ہی مرتبہ تو ہمارے کپڑے بنا کرتے تھے۔ ہم ہاتھ مہندی سے سجاتیں۔ غباروں اور کلیوں سے کھیلتیں۔ شیر خورمہ اور سویوں کا انتظار تو ہمیں رمضان بھر رہتا کہ ایسا اچھا کھانا ہمیں عید پر ہی میسر آتا تھا۔ ابا اور بھائی شیروانی اور ٹوپی پہنے تکبیریں پڑھتے عید گاہ جاتے لیکن پھر ایک روز ابا امی جان سے کہہ رہے تھے حالات بہت خراب ہو چکے ہیں۔ مسلمانوں کو کلمہ گوئی کی سخت سزا دی جا رہی ہے۔ مال عزت اولاد کچھ محفوظ نہیں مگر یقین جانو کیسا ہی کڑا وقت کیوں نہ آ جائے اب ہمیں نہ انگریز کی غلامی منظور ہے نہ ہندو کی۔ ہمیں ہر قیمت پر پاکستان حاصل کرنا ہے۔ ہماری جان جاتی ہے جائے۔ مال جاتا ہے جائے لیکن ہماری آئندہ نسل کسی کی غلام نہ ہو۔ ان کی تعلیم پر پہرے نہ ہوں۔ ان پر کاروبار کے دروازے بند نہ ہوں۔ ان پر اسلامی شعائر پر عمل

کرنے کی پابندی نہ ہو۔ ابا امی جان کو کچھ اور بھی بتا رہے تھے مگر میرے ذہن میں صرف ایک جملہ گونجنے لگا تھا ہمیں ہر قیمت پر پاکستان حاصل کرنا ہے۔ پاکستان۔ مجھے لگا جیسے تتلیوں، خوشبوؤں، پھولوں اور جگنوؤں کا کوئی دیس ہوگا جہاں ہم بہن بھائی سکول جا سکیں گے۔ ابا اور بھائی جان اپنا کاروبار کر لیں گے۔ عید الاضحیٰ پر گائے قربان کر سکیں گے۔ میں خوش ہوگئی۔

اس روز 27 رمضان المبارک تھی۔ جمعہ کا دن تھا۔ ابا امی کو بتا رہے تھے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ پاکستان بن گیا ہے۔ لیکن انگریزوں نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔ امرتسر جسے پاکستان کا حصہ بننا تھا ہندوستان میں رہ گیا ہے۔ ہمیں پاکستان کی طرف ہجرت کرنا ہوگی۔ یہ 18 اگست 1947 کی عید الفطر تھی۔ ہندوستانی مسلمانوں کو کلمہ گوئی اور مطالبہ پاکستان کے جرم کی پاداش میں سنگینوں پر اچھالا جا رہا تھا۔ مسلمان پیدل قافلوں اور سپیشل ٹرینوں کے ذریعے پاک سرزمین کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آج گلی میں چوڑیاں بیچنے اور خریدنے والوں کی کوئی آواز نہیں تھی۔ 80 ہزار مسلمان خواتین کی عصمتوں کے لٹنے کے دلخراش مناظر جا بجا بکھرے ہوئے تھے۔ ہمیں آج نہ اپنے گوٹے کناری والے کپڑوں کا ہوش تھا نہ نئے جوتوں کی فکر۔ نہ کہیں عید کارڈ تھے۔ نہ تحائف کا تبادلہ۔ نہ اماں کو میٹھی سویاں کھانے پکانے کا دھیان تھا نہ ہمیں عیدی مانگنے کا ہوش۔ اس انوکھی عید پر مکانات جل رہے تھے۔ معصوم بچے برچھوں پر اچھالے جا رہے تھے۔

ہمارے محلے کی خوبصورت مسجد شہید ہو چکی تھی۔ شاہراہوں پر مسلمانوں کی بے یارو مددگار لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ کوئی ان کو نہلانے، کفنانے، دفنانے اور اٹھانے والا نہیں تھا۔ سکھ درندے مسلمان دوشیزاوں کی عصمت دری کے لیے دندناتے پھر رہے تھے۔ میری غیرت مند ابا نے لا الہ الا اللہ پڑھ کر مسجد کے کنوئیں میں چھلانگ لگائی تھی۔ اس کی کنوئیں میں تیرتی نعش میری نگاہوں میں جیسے آج بھی تیر رہی ہے۔"

صفحے پر جا بجا آنسوؤں کے دھبے تھے۔ عائلہ کی آواز بھی لرز رہی تھی۔ دانیال منہ کھولے جیسے بت بن چکا تھا۔ "اسلامیان امرتسر اپنی ماوں، بہنوں، اور بہو بیٹیوں کو ہندو سکھ غنڈوں کی ہولناک نظروں سے بچاتے پاکستان کا رخ کر رہے تھے۔ عید کے روز میری بجیا جن کے ہاتھ اور پاؤں میں مہندی کی سرخیاں رچی ہوتی تھیں آج وہی ہاتھ پاؤں چچا اور بھیا کے خون سے تر ہو رہے تھے۔ امرتسر اور لاہور کی درمیانی جرنیلی سڑک پر سکھ وحشیوں کے مشتعل ہجوم مسلمانوں پر اندھا دھند گولیاں برسا رہے تھے۔ امرتسر ریلوے سٹیشن کے تمام پلیٹ فارم اور پٹڑیاں مسلمانوں کے خون میں نہائی ہوئی تھیں۔ یہ عید کہاں تھی۔ یہ تو ہولی کا تہوار تھا جس میں خون مسلم سے دل کھول کر ہولی کھیلی جا رہی تھی۔

میرے ماموں جو جالندھر میں رہتے تھے۔ وہاں کے دیگر ہزاروں مسلمانوں کے ہمراہ عید کی نماز ادا کرنے عیدگاہ میں جمع تھے اور ابھی پہلی رکعت میں سجدہ ریز ہوئے ہی تھے کہ ہندوؤں، سکھوں نے تلواروں، گنڈاسوں برچھیوں اور بندوقوں سے مسلح ہو کر ان پر حملہ کر دیا اور آن واحد میں عیدگاہ مسلمانوں کے مقتل میں تبدیل ہوگئی۔ اس کے بعد سکھانند ڈپٹی کمشنر کی سربراہی میں پہلے سے طے شدہ پروگرام کے

مطابق فرقہ پرست ہندو اور سکھ مسلمان گھرانوں کی پردہ نشین عورتوں کو گھسیٹ کر عیدگاہ تک لے آئے۔ ان کے لباس تار تار کر دیئے گئے اور بھالوں کی نوک چبھو چبھو کر انہیں حکم دیا جاتا کہ وہ اپنے اپنے شوہر، بھائی، بیٹے اور باپ کو عید مبارک کہیں۔ غم اور حیا کی ماری برہنہ دختران اسلام جب سمٹنے لگتیں تو وحشی درندے انہیں بھالوں سے چرکے اور کچوکے لگا کر قہقہے لگاتے۔ میرے ماموں کے گھر کی تمام خواتین یہاں بیدردی سے شہید کر دی گئیں۔

میرا پورا خاندان آئندہ مسلمان نسل کو آزادی دلانے کے لیے شہید ہو چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کسی فرشتہ سیرت بابا جی نے اپنی شہید بچی کی جگہ مجھے سمجھتے ہوئے اپنے ساتھ ٹرین میں سوار کروایا۔ ہمارے ساتھ ہندوستان سے لاہور آنے والی ایک مال گاڑی کے ڈبے میں مسلمان عورتوں کی کٹی ہوئی گردنیں، معصوم بچوں کی لاشیں اور کٹے ہوئے ہاتھ عید کے تحفے کے طور پر اسلامیان پاکستان کو ارسال کیے گئے۔ اس ڈبے پر مسلمانوں کے لیے عید کا تحفہ کے اشتعال انگیز الفاظ بھی درج تھے۔"

عائلہ ہچکیوں سے رونے لگی تھی۔ دانیال کی آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھری تھیں۔۔۔ آگے لکھا تھا۔

"میرے بچو! میری ان یاداشتوں میں قیام پاکستان کے مقصد اور تاریخی دشمنوں کے عزائم سے باخبر رہو۔ اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کے مکروہ چہروں کو ان کے اصلی روپ میں دیکھو۔

لہو میں ڈوب کر پہنچے ہیں جو کنارے تک
وہ جانتے ہیں کہ یہ راہ کس قدر تھی کٹھن

میرے دانیال! عید کا دن تم کیوں کر سوگ کر گزار سکتے ہو جبکہ جالندھر اور اس جیسی دیگر عیدگاہوں کے شہداء تم سے اس وطن میں نظام لا الہ الا اللہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

پیاری عائلہ! عید کا دن تم ٹی وی شوز میں کیوں کر برباد کر سکتی ہو جبکہ اسی ہزار شہید دختران اسلام تم سے پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی امیدوار ہیں۔

تمہارا دشمن شرک و الحاد کی یلغار لیے چہار جانب سے حملہ آور ہے تم غفلت میں کیسے جی سکتے ہو۔" دانیال اٹک اٹک کر پڑھ رہا تھا۔

قیام پاکستان کا مقصد اور اس کے لیے دی جانے والی قربانیاں پڑھ کر ان کے دل جیسے تڑپ اٹھے تھے۔

تقاضے ہم سے مستقبل کے پورے کس طرح ہونگے
ابھی ماضی کا بھی ہم نے بہت سا قرضہ چکانا ہے

"بڑی اماں پاکستان لا الہ الا اللہ کے نام پر قائم ہوا۔ یہ کلمہ رہتی دنیا تک سربلند رہے گا اور ہمارا پاکستان بھی۔ ان شاءاللہ" دانیال اور عائلہ بڑی اماں کے قدموں میں بیٹھے تھے۔

"بڑی اماں! میں یہ عید سوگ نہیں گزاروں گا"

میں یہ عید ٹی وی اور نیٹ پر لغو پروگرام دیکھ کر نہ گزاروں گا کہ یہ عید شہیدان تحریک پاکستان کو خراج تحسین پیش کرنے کی عید ہوگی۔ یہ عید تجدید عہد وفا کی عید ہوگی۔ یہ عید پاکستان میں پیام لا الہ الا اللہ کو دلوں میں اتارنے کی عید ہوگی۔ ان شاءاللہ"

بڑی اماں نے محبت سے بچوں پر نگاہ ڈالی اور شفقت سے ان کے سروں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے۔ چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی۔

ہوشیار

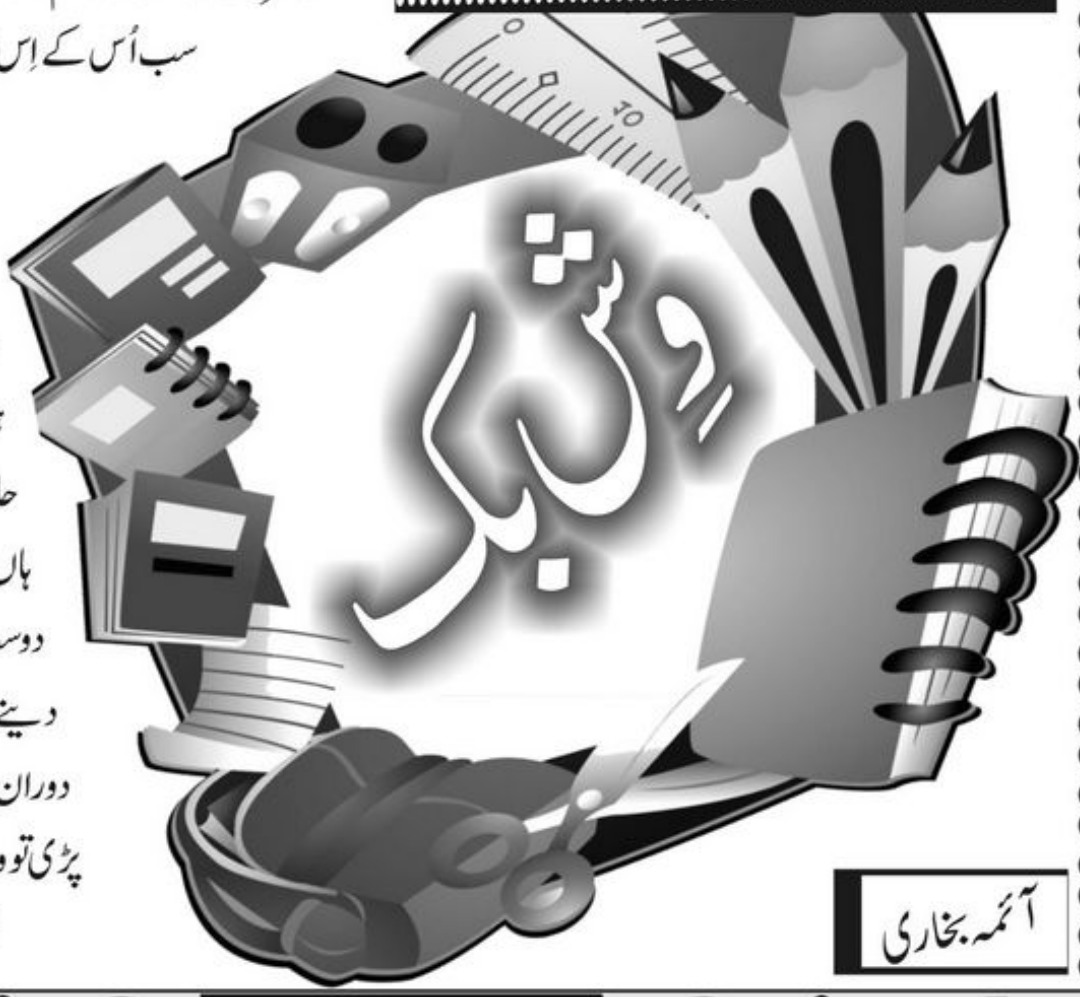

آئمہ بخاری

حاشر دسویں جماعت میں داخل ہوا تو دو ماہ بعد ہی اس کی سال گرہ سر پر کھڑی تھی۔ آٹھویں جماعت ہی سے اس نے بائیک لینے کی ضد لگا رکھی تھی لیکن بابا نے وعدہ کیا تھا کہ جب نویں جماعت میں اول آ کر دسویں جماعت میں قدم رکھو گے تو اس کے بعد آنے والی سال گرہ پر بائیک مل جائے گی۔ حاشر نے سوچا ایک دو سال کی ہی بات ہے اس لیے اس نے دل لگا کر پڑھائی کی اور جماعت میں اول آیا۔ وعدے کے مطابق اس کی سال گرہ پر بائیک ملنی تھی۔

''بابا جانی! میری سال گرہ آنے والی ہے، آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے نا؟''

دسویں جماعت میں آتے ہی حاشر نے کہا۔

''جی بالکل یاد ہے میرے شیر!''

بابا نے محبت سے جواب دیا تو حاشر کو تسلی ہو گئی۔

✿✿✿

دن گزرتے رہے اور ماہ رمضان شروع ہو گیا۔

''یار! اس بار عید کے لیے سفید کاٹن کے کپڑے لیں گے، کلف لگے کپڑے پہن کر شان سے چلیں گے۔''

حاشر کے دوست اور ہم جماعت عادل نے کہا تو سب اُس کے اِس انداز پر ہنسنے لگے۔

ٹھیک کہہ رہے ہو، پینٹ شرٹ سے تھک چکے ہیں۔ اس بار کچھ نیا ہونا چاہیے۔

حاشر نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ سب دوست اپنی اپنی رائے دینے لگے، انھی باتوں کے دوران حاشر کی نظر اسد پر پڑی تو وہ چونک گیا۔

✿✿✿

'یار!!! اس بار عید کے لیے سفید کاٹن کے کپڑے لیں گے، کلف لگے کپڑے پہن کر پھر شان سے چلیں گے۔

''کیا ہوا میرے لال؟ آج جب سے آئے ہو پریشان لگ رہے ہو۔''

اماں نے اسد کو اداس دیکھا تو پاس بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔

''اماں! آج سب دوست کہہ رہے تھے کہ عید پر سفید کاٹن کے کلف لگے کپڑے پہنیں گے لیکن میں تو نہیں خرید سکتا۔''

اسد نے ان کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

''بیگم صاحبہ ہر سال اپنے بچوں کے نئے کپڑے دیتی ہیں، اس سال بھی دیں گی پتر! تو غم نہ کر۔''

اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے تسلی دی۔

''اماں! وہ شرٹ پتلون ہوتی ہے، اس بار سب دوست سفید کاٹن کے کپڑے لے رہے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے اسد کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ اُٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔

''یا اللہ! میرے بچے کو مایوس نہ ہونے دینا۔''

اماں نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

❁❁❁

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔۔۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ڈیئر حاشر۔۔۔۔۔!''

عید سے دو دن پہلے امی اور بابا چھوٹے بچوں کی طرح تالیاں بجاتے ہوئے اسے سال گرہ کی مبارک باد دے رہے تھے۔ حاشر نے کیک کاٹا تو امی نے اُسے تحفہ دیا۔ اس کے بعد ان تینوں نے مل کر کیک کھایا۔

''جلدی کرو شہزادے! پھر تمھاری بائیک خریدنے بھی جانا ہے۔''

بابا نے اُس کی توجہ اصل تحفے کی طرف دلائی تو وہ اُٹھ کر کمرے میں چلا گیا۔ اس کے ایسا کرنے پر امی بابا نے حیرت اور ناسمجھی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''میں بائیک نہیں لوں گا بابا جانی!''

ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کاپی پکڑے وہ کمرے سے واپس آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''ارے وہ کیوں؟''

امی نے حیرت سے سوال کیا جب کہ بابا بھی کم حیران نہیں تھے۔

''یہ دیکھیے!!''

اس نے کاپی ان دونوں کی طرف بڑھائی۔

''وِش بُک!!''

بابا نے بلند آواز سے نام پڑھا اور اُسے کھولنے لگے۔

''اسد کے لیے عید کی خریداری کرنی ہے کیوں کہ وہ میرا پیارا دوست ہے۔''

بابا نے پہلا صفحہ پڑھا اور اگلا صفحہ کھولنے لگے۔

''اماں بی کے بچوں کو دودھ والی سویاں بھیجنی ہیں۔''

بابا نے دوسرا صفحہ پڑھا جس میں کام والی ماسی اور اُس کے بچوں کا ذکر تھا۔ اس طرح ہر صفحے پر مختلف لوگوں کی خواہشات لکھی ہوئی تھیں۔

''یہ سب کیا ہے حاشر؟ یہ کیسی وِشز ہیں تمھاری؟''

امی نے ناراض ہوتے ہوئے کاپی بند کی۔

''امی جان! یہ میری وِش بُک ہے، میں نے اسد اور اس کی امی کی باتیں سنی تھیں وہ بہت پریشان تھے۔ تب

سے میں نے سوچا چپکے سے سب کی وشز جان کر سب کو گفٹ دوں گا۔''

حاشر نے تفصیل سے پوری بات بتائی۔

''لیکن اتنے سارے لوگوں کی وِشز پر بہت پیسے لگیں گے بیٹا!''

بابا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بابا جانی! آج اگر آپ کے پاس میری بائیک کے پیسے نہ ہوتے تو میں اداس ہو جاتا نا؟ آپ کو کیسا لگتا جب آپ کا بیٹا اداس ہوتا؟ کیا آپ خوش رہ پاتے؟''

حاشر نے انھیں احساس دلانا چاہا۔

''یہ سب بچے چھوٹی چھوٹی خوشیاں چاہتے ہیں بابا جانی! میں اپنی بائیک کے پیسوں سے ان سب کی وشز پوری کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز امی جان! میری یہی وِش ہے آج کے دن۔''

حاشر کا اصرار بڑھا تو امی بابا نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکرانے لگے۔ امی اُٹھ کر حاشر کے پاس آئیں اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔

''چلو شہزادے! آج نیا کام کرتے ہیں۔''

بابا نے کہا تو حاشر کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

''بیٹا! ایک ہی دن میں خریداری ہو جائے گی لیکن آپ کے دوست کے لیے کپڑے؟''

''امی جان! وہ میں نے اپنے کپڑے خریدتے ہوئے اپنی جیب خرچ سے اسد کے لیے بھی خرید کر درزی کو دے دیے تھے۔''

حاشر نے زبان کا کونہ دانتوں میں دباتے ہوئے جواب دیا تو امی بابا اس کی سمجھداری پر مسکرانے لگے۔

۞۞۞

''کون ہے؟ آ رہا ہوں۔''

عید سے ایک دن پہلے، صبح صبح دروازے پر دستک ہوئی تو اسد نے آواز لگائی۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

دروازہ کھلتے ہی ایک میلے کچیلے سے بچے نے سلام کیا۔ اسد سلام کا جواب دیتے ہوئے، حیرت سے اس انجان بچے کو دیکھنے لگا۔

''آپ کی امی کہاں ہیں بھائی؟ یہ لیں ان کو دے دینا آپ۔''

اُس نے نے تین چار شاپر اسد کے ہاتھ میں دیے اور جس طرح جلدی میں آیا تھا اسی طرح واپس بھی چلا گیا۔

اسد نے شاپر کھول کر دیکھے تو مٹھائی کے ساتھ گھی، چینی اور سویوں کے پیکٹ، ایک سفید کاٹن کا جوڑا، بہترین جوتے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے چھوٹے بھائیوں کے لیے ریڈی میڈ کپڑے بھی تھے۔ یہ سب دیکھ کر خوشی سے اسد کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

۞۞۞

''تم کون ہو بچے؟''

ماسی نے ایک بچے کو اپنے کوارٹر میں داخل ہوتے دیکھا تو حیرت سے سوال کیا۔ اُن کے بچے باہر مٹی پر بیٹھے کھیل رہے تھے۔

''یہ لو اماں بی! آپ کے بچوں کے لیے تحفہ۔''

انجان بچے نے بڑے سے دو شاپر ان کو پکڑاتے

ہوئے کہا تو بچے اُٹھ کر اپنی ماں کی طرف لپکے۔ وہ بچہ جلدی سے واپس لوٹ گیا۔ اس طرح وِش بک میں موجود ہر انسان کی وِش پوری کرتے ہوئے اسے رات ہوگئی۔

''تمھارا بہت شکریہ پیارے عدنان! آج تم نے میرا ساتھ دیتے ہوئے سب کو تحفے پہنچائے۔۔''

حاشر نے عدنان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ عدنان ایک جھگی میں رہنے والا دس سالہ بچہ تھا، اسے بھی حاشر نے عید کے کپڑے اور جوتے دیے اور سارا دن ساتھ رہنے کی درخواست کی۔

''حاشر بھائی!!! آپ یہ سب چیزیں خود کیوں نہیں دے دیتے؟''

عدنان نے معصومیت سے سوال کیا۔

''وہ سب لوگ مجھے جانتے ہیں۔ اگر میں نے انھیں خود یہ تحفے دیے تو وہ میرے احسان مند رہیں گے اور مجھ سے شرمندہ رہیں گے۔ میرا مقصد کسی کو شرمندہ کرنا نہیں ہے۔''

حاشر نے اُسے رسان سے سمجھایا تو عدنان دل سے مسکرایا۔

❁❁❁

''عید مبارک شہزادے!''

صبح نماز فجر کے بعد امی بابا نے اسے عید مبارک کہا تو اس نے بھی دونوں سے دعائیں لیں۔

''میری عیدی!!''

حاشر نے بابا کے سامنے ہتھیلی پھیلا کر عیدی مانگی تو بابا نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس کی ہتھیلی پر چابی رکھ دی۔

''بابا جانی!''

حاشر کو اپنے ہاتھ میں نئی نکور چابی دیکھ کر جیسے اچھو لگا۔ امی اور بابا نے زور دار قہقہہ لگایا تو وہ ہونقوں کی طرح انھیں دیکھنے لگا۔

''یہ ہمارے شہزادے کی نئی بائیک کی چابی ہے۔''

بابا نے اس کے کندھے پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''پر بابا۔۔۔۔۔!''

حاشر نے کچھ کہنا چاہا۔

''یہ تمھاری نیکیوں کا چھوٹا سا انعام ہے میری جان!''

امی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تو وہ خوشی سے باہر کی جانب بھاگ گیا۔ آج سچ مچ اس کی عید ہوگئی تھی۔

❁❁❁

کوپن برائے

''وہ کون تھا؟''

نام: .....

ولدیت: .....

مکمل ایڈریس: .....

تعلیم: .....

جواب: .....

ہدایات: (انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا اور ایک کوپن ایک ہی ساتھی کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور جواب بغیر کوپن کے قبول نہیں کیا جائے گا)

ساجدہ بتول

بادشاہ سلامت کی قتل کی خواہش اگر عجیب تھی تو چور کو اندر داخل ہونے کا وقت دینے کی بات عجیب تر تھی!

آستین کا سانپ

پورے دربار میں یہاں سے وہاں تک پریشانی کی لہر دوڑ چکی تھی۔ ہر شخص پریشان تھا کیونکہ بادشاہ سلامت کی ایک ہیروں والی تھیلی گم ہوگئی تھی۔

آج صبح سویرے ہی بادشاہ سلامت نے دربار لگایا اور اس تھیلی کی گمشدگی کا اعلان کیا تھا۔ پھر اس کے بعد ایک عجیب بات کہی تھی۔

"ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس تھیلی کے چور کو قتل کر دیں" پورے دربار میں سناٹا چھا گیا۔ خوف کے ساتھ حیرت بھی ہر ایک کے دماغ پہ چھا گئی تھی۔

"بادشاہ سلامت! چور کو قتل کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر قتل آپ کی خواہش ہے۔ یہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ اور آپ اس کو داخلے کا وقت بھی دے چکے ہیں، اس طرح وہ کیسے آئے گا؟؟" بالآخر ایک وزیر نے زبان کھولی۔

"ہاں! ہمیں یاد ہے کہ ہم نے آج تک کسی کو بے وجہ سزا نہیں دی۔ قتل سے تو ہماری اپنی جان نکلتی تھی۔ معاف کر دینا ہمارا شیوہ ہے مگر اب ایک انسان کو قتل کر دینا ہماری خواہش بن چکی ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو تو پھر چور کو ہی کیوں نہ قتل کر دیں کہ اس سے غلطی تو سرزد ہوئی ہی ہے، تو قتل اسی کی سزا بن جائے۔ بس وہ چور کسی طرح ہمارے سامنے آجائے۔ ہم اپنے ہاتھوں سے اس کی گردن پہ چھری چلا کر اپنے شوق کو تسکین پہنچائیں گے۔

رہا یہ سوال کہ وہ کیسے آئے گا؟ وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔" بادشاہ سلامت کا لہجہ آخر پہ معنی خیز سا ہو گیا۔

دربار میں یہاں سے وہاں تک خوف کی لہر دوڑ گئی۔ ہر شخص کو اپنا خون رگوں میں جمتا محسوس ہوا۔ مگر اس وقت وہاں ایک چہرہ ایسا بھی تھا جس پہ چمک آگئی تھی۔ خوشی سے اس کی آنکھیں دمکنے لگی تھیں۔ اس نے سوچا تھا، وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائے گا۔ وہ اٹھا، محل سے نکلا اور لوہار کی دوکان کی طرف بڑھ گیا۔ اسے چھرا خریدنا تھا۔ تیز دھار چھرا۔

"بس! بس! اپنی دانش اپنے پاس رکھو! میں نے فیصلہ کرلیا ہے، اسے سرعام ذلیل کرواؤں گا۔" ابرار اپنی ضد پہ پکا تھا۔

"تو آپ وہاں جھوٹ بولیں گے کیونکہ سانپ کو آپ نے یہ کب سکھا دیا کہ وہ چور کو ڈسے؟" بیگم نے ایک اور دہائی دی۔

"اپنی چونچ بند رکھنا!"

اس نے بیگم کی طرف انگلی اٹھائی۔

"یہ بات اپنے دماغ میں بٹھا لو کہ یہ سانپ چور کو ڈستا ہے اور بس!"

"تو آپ نے اس لیے اس سانپ کو یہ تربیت دی کہ اس کی آڑ لے کر آپ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں؟ جو بادشاہ سلامت اب آپ کو خود دے چکے۔"

"زیادہ میری تفتیش میں مت لگو! آئی سمجھ!" اتنا کہہ کر اس نے سانپ کو پٹاری میں بند کیا اور اور گھر سے نکل آیا۔

❁❁❁

ابرار نے اس سانپ کو سدھارنے پہ پانچ سال لگائے تھے۔ اس سانپ کو تربیت یہ دی تھی کہ سانپ جہاں موجود ہو، وہاں کی اونچی جگہ پہ بیٹھنے والے کی محبت وہاں موجود لوگوں میں سے جس شخص کے دل میں سب سے زیادہ ہو، سانپ بس اس کو ڈس لے۔ اس کے اندازے کے مطابق بادشاہ سلامت سے سب سے زیادہ محبت آصف کو تھی اور آج اس کو بادشاہ سلامت کی نظروں سے گرانے کا وقت آچکا تھا۔

ملک کے نامور حکیم کی اس نے دو سال خدمت صرف اس لیے کی تھی کہ وہ ایسی جڑی بوٹی کا نام اس کو بتا دے، جو سانپ کو کھلا دی جاتی تو اس کے اندر اس محبت کو جاننے کی حس اور پھر اسے ڈسنے کا خیال پیدا ہو جاتا۔ آخر اس کا مقصد پورا ہوا اور حکیم نے یہ راز کھول دیا تھا۔

ایک سال تک برابر وہ جنگل سے متعلقہ بوٹی لا کر سانپ کو کھلاتا رہا تھا۔ اب تک کئی بلیوں کو وہ راہی عدم کروا چکا تھا۔ اس طرح کہ ایک بلونگڑے کو اونچی جگہ پہ بٹھا کے اس کی ماں بلی کو اس کے قریب بٹھاتا کچھ اور بلیوں کو بھی بٹھاتا اور سانپ ابرار کا اشارہ پا کر اس ماں بلی کو ڈس لیتا۔

❁❁❁

"اونہہ بڑا لاڈلا بنا پھرتا ہے وہ بھی بادشاہ سلامت کا۔ آج میرا یہ سانپ اسے بھرے دربار میں شرمندہ کرے گا۔" ابرار منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

"کیوں ہاتھ دھو کے اس بیچارے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں! وہ بادشاہ سلامت سے مخلص بھی تو اتنا ہی ہے۔" اس کی بیگم روہانسی ہو کر بولی۔

"ہاں وہ مخلص ہے۔ مگر میرے دل میں بھی بادشاہ سلامت کی محبت ہی ہے جو اس کو ان کے قریب دیکھ کر میرا برداشت کا مادہ ختم ہو جاتا ہے۔" اس نے کہا تھا۔

"یہ محبت ایک مثبت چیز ہے مگر اس کا استعمال آپ منفی کر رہے ہیں" بیگم نے احساس دلانا چاہا۔

"بس بس! اپنی دانش اپنے پاس رکھو! میں نے فیصلہ کرلیا ہے، اسے سرعام ذلیل کرواؤں گا"

❁❁❁

ابرار کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کچھ دیر بعد اسی دربار میں اس کے ساتھ ایک بھیانک قصہ ہونے کو ہے۔ اسے یاد تھا

تو بس اتنا، دو دن پہلے بادشاہ سلامت نے دربار میں اعلان کیا تھا۔ ہماری ہیروں والی تھیلی گم ہوگئی ہے۔ اس کا چور جو کوئی بھی ہے، ہم اسے کہتے ہیں، وہ چپکے سے تھیلی اپنی جگہ واپس رکھ دے اور اگر وہ ایسا نہیں کرسکتا تو پرسوں ہم اسے بھرے دربار میں قتل کر دیں گے۔ اگرچہ ہم معاف کرنے میں اپنی مثال آپ ہیں مگر آج کل ہمیں کسی انسان کی گردن پہ چھرا پھیرنے کا شوق ہوگیا ہے۔ چور مجرم تو ہے ہی، پھر ہم اسی پہ یہ شوق کیوں نہ پورا کریں! لہٰذہ اسے چاہیے، پرسوں جب ہم دربار میں گھنٹی بجائیں، وہ آجائے۔ ہاں مگر گھنٹی بجنے سے پہلے اسے آنے کی اجازت نہیں۔ بس اس بات پہ عمل کرنے پہ ہم مجبور ہیں۔"

بادشاہ سلامت کی قتل کی خواہش اگر عجیب تھی تو چور کو اندر داخل ہونے کا وقت دینے کی بات عجیب تر تھی!

ابرار بادشاہ سلامت کا پرانا وزیر تھا مگر آصف اس سے بھی زیادہ پرانا اور بادشاہ سلامت کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا۔ ابرار کو بادشاہ سلامت سے بے پناہ محبت تھی۔ اس لیے جب وہ آصف کو بادشاہ سلامت سے زیادہ قریب دیکھتا تو جل جل جاتا اور اسے شرمندہ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتا۔ آخر ایک روز اس کے ذہن میں آصف کو بادشاہ سلامت کی نظروں سے پورا گرانے کی ایک ترکیب آئی اور وہ اس پہ عمل کی ٹھان کر ایک ماہر سپیرے کے پاس جا پہنچا۔ اس کا ارادہ سانپ کی پرورش سیکھنے کا تھا۔ دن ہفتے، ہفتے مہینوں اور مہینے برسوں میں یوں بدلے کہ آج وہ وقت آپہنچا جس کا اس کو انتظار تھا۔

❁❁❁

بادشاہ سلامت کی ہیروں والی تھیلی کیا گم ہوئی، ابرار کی مشکل از خود آسان ہوگئی۔ وہ تو چاہتا ہی یہی تھا کہ جب کبھی بادشاہ سلامت کی کوئی چیز چوری ہو، وہ سانپ کو چور کی پہچان کا ماہر بتا کر آصف کو ختم کروا دے۔ انہی خیالات میں غلطاں وہ دربار میں جا پہنچا۔ اس کی امید کے عین مطابق آصف بادشاہ سلامت کے اونچے سے تخت کے قریب لگی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ابرار کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کچھ دیر بعد اسی کے ساتھ ایک بھیانک قصہ ہونے کو ہے۔

❁❁❁

حسد اور محبت کے تانے بانے بنتا ابرار پٹاری اٹھائے بادشاہ سلامت کے قریب آپہنچا۔ ان کے قریب ہی کرسی پہ آصف بیٹھا تھا۔ یہ دیکھ کر ابرار کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بادشاہ سلامت کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی۔ نجانے کس لیے؟؟ "ہوں! بیٹھ جاؤ! تو تم وہ چیز لے آئے ہو؟ جس کا تم نے کہا تھا!"

"جی ہاں بادشاہ سلامت! میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میرا سانپ چور کو پہچان کر اس کو ڈس لیتا ہے۔"

"تو نکالو پھر اسے۔۔ اگرچہ ہم نے کہا تھا، چور گھنٹی بجنے سے پہلے اندر داخل نہ ہو۔ مگر کیا معلوم، وہ دربار میں پہلے سے موجود ہو۔ لہٰذا تجربہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔"

ابرار نے احتیاط سے پٹاری کھولی، سانپ کو پکڑ کر باہر نکالا اور پھر منہ سے آواز نکالی "شش" سانپ نے آنکھیں گھمائیں، پھر پھن پھیلایا، اور پھر وہ ہوگیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

❁❁❁

سانپ پھنکارتے ہوئے ابرار کی طرف بڑھا تھا۔

"ارے ارے! بچاؤ!۔ سس سانپ! میرے پیارے سانپ! یہ کیا کرنے لگے ہو؟" حیرت اور صدمے کی ملی جلی کیفیت میں وہ اپنا بچاؤ کرنے کو پیچھے ہٹا تھا مگر سانپ اُسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ پورے دربار میں سناٹا چھا چکا تھا۔ سب درباری ششدر تھے ۔ پہلے بادشاہ سلامت کا عجیب اعلان ، پھر ان کے ہاتھ میں تلوار اور اب سانپ کا اپنے ہی مالک کی طرف اسے ڈسنے کی غرض سے بڑھنا، کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

"چھناک!" اس آواز کے ساتھ ہی سانپ کی گردن دھڑ سے جُدا ہوگئی ۔ اب سانپ کی گردن اور اس کا دھڑ الگ الگ دائروں میں تیزی سے گھوم رہے تھے۔ بادشاہ سلامت نے خون میں لتھڑی تلوار پیچھے کھینچ لی تھی ۔ کچھ لمحوں کے بعد بادشاہ سلامت نے دو تین وار اور کیے جن سے سانپ ٹھنڈا پڑ گیا۔

"فرش کو صاف کیا جائے"

ان کے حکم پہ ایک درباری اٹھا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد وہ پانی کی بالٹی اٹھائے نوکر کو لیے اندر داخل ہوا۔ نوکر آتے ہی فرش کو پانی اور جھاڑو سے دھونے لگا۔ ادھر ابرار کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ سانپ نے تو آنکھ اٹھا کے بھی آصف کو نہ دیکھا تھا۔ آج اس کے اندازے غلط ثابت ہو گئے تھے ۔ گویا آصف کو بادشاہ سلامت سے کوئی خاص محبت نہ تھی بلکہ ابرار کو ہی زیادہ محبت تھی مگر وہ بھری بزم میں چور ثابت ہو گیا تھا۔

ندامت کے مارے اس کا جی چاہ رہا تھا، یہاں سے بھاگ نکلے۔ مگر وہ جانتا نہیں تھا کہ ابھی بہت سے حساب اس کے ذمے باقی ہیں جن کو چکائے بغیر وہ یہاں سے جا نہیں سکے گا۔ اسے سانپ کے مرنے کا صدمہ بھی بہت ہو رہا تھا۔ اس کی پانچ سال کی محنت ایک جھٹکے میں ضائع ہوگئی تھی۔

ہاں مگر جان بچ جانے پہ وہ اللہ کا شکر بھی ادا کر رہا تھا۔ اس کو یہ حیرت بھی تھی کہ بادشاہ سلامت پہلے سے تلوار لے کر کیوں بیٹھے ہوئے تھے؟ کیا وہ چور کو مروانا نہیں چاہتے تھے؟ ابھی چور کے داخلے کے لیے گھنٹی بجنے کا وقت بھی ہوا چاہتا تھا۔ کچھ ہی دیر میں فرش دھل گیا اور پھر بادشاہ سلامت نے گھنٹی بجا دی۔ گھنٹی بجتے ہی دربار کا پردہ سرکا اور ایک شخص اندر داخل ہوا۔ اس پہ نظر پڑتے ہی سب درباری زور سے اچھلے۔

❁❁❁

اندر داخل ہونے والا شخص کوئی اور نہیں، بلکہ آصف تھا۔ لوگوں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ پھر بادشاہ سلامت کے پہلو میں بیٹھے آصف کو دیکھا اور پھر اندر آنے والے کو دیکھا۔ دونوں کی شکلیں ہو بہو ایک جیسی تھیں، کسی کی سمجھ میں نہ آیا کہ ان دونوں میں اصلی آصف کون ہے اور نقلی کون؟؟؟

"آجاؤ!، آجاؤ!" بادشاہ سلامت بولے۔

"مگر ابھی ہم سے ذرا فاصلے پہ کھڑے ہو جاؤ! ہم دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کروا لیں۔" اتنا کہہ کر وہ اپنے قریب والے آصف کی طرف مُڑے۔

"لو بھائی تمہارا وقت پورا ہو چکا۔ اب تم منہ دھولو!" اتنا سنتے ہی اس آصف نے قریب رکھی ایک بوتل اٹھائی

اوراس میں سے کچھ نکال کر اپنے چہرے پہ ملنے لگا جو کوئی سیال مادہ تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنی قمیص کی جیب سے رومال نکال کر اس سے اپنا چہرہ صاف کیا تو اب اس کی جگہ سے آصف غائب تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہی موجود تھا۔

"چلو بھائی اصلی آصف! اب تم آ جاؤ!" بادشاہ سلامت نے کہا اتنا سن کر دروازے کے پاس کھڑا آصف بادشاہ سلامت کے قریب آیا اور ان کے سامنے اکڑوں بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار چھرا تھا۔

"بادشاہ سلامت! میں نے آپ کے ہیرے اٹھائے ہیں۔ آپ یہ چھرا میری گردن پہ پھیر دیں۔ یہ میں نے لوہار کی دوکان سے خود خریدا اور تیز کروایا ہے۔"

اس نے وہ چھرا ادب سے بادشاہ سلامت کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ پورے دربار میں حیرت اور صدمے کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آصف جیسا شخص بھی یہ کام کر سکتا تھا!!! اس پر اس کا خود کو خود ہی پیش کرنا!!! معاملہ ابھی بھی معمہ ہی تھا۔

ادھر ابرار کی ایک نئی لاٹری نکلنے کو آ گئی تھی۔ اس کا مقصد فوت ہوتے ہوتے دوبارہ زندہ ہونے چلا تھا کہ آصف مرنے چلا تھا۔ اس کے راستے کا کانٹا خود کو خود ہی اکھیڑ رہا تھا اور پھر ایک حیرتناک بات ہوگئی۔

❁❁❁

بادشاہ سلامت فرفر آنسوؤں سے رونے لگے تھے۔ شدت سے جذبات سے ان سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"مم ---- میرے ---- پپ پیارے آصف ------ مم ------ مجھے ---- تم سے یہی ----- امید تھی۔ تم نے میرا سر فخر سے بلند کر دیا ہے۔"

"آپ مجھے قتل کر دیں ناں!"

آصف جلدی سے بولا۔

"نہیں، میں ایسا نہیں کروں گا۔"

"مگر یہ آپ کا شوق ہے۔ میں اس شوق کی تسکین چاہتا ہوں" آصف مصر ہوا

"ضد نہ کرو! جاؤ! شاباش!" بادشاہ سلامت نے شفقت سے کہا۔ آصف تذبذب کی کیفیت لیے وہاں سے اٹھ گیا۔ ادھر لوگوں کے خیالات ایک بار پھر معمہ بن گئے کہ چوری کا سن کر بادشاہ سلامت نے خوشی کا اظہار کیوں کیا تھا؟؟؟

❁❁❁

غور سے ساری داستان سنیے گا۔ کچھ دیر بعد بادشاہ سلامت سنبھل کر بولے۔

ہوا کچھ یوں کہ آصف ہمارا پرانا اور بااعتماد وزیر تھا۔ پھر ایک روز ہم نے ابرار کو بھی وزیر بنا لیا۔ تاہم آصف ہمارے احکامات زیادہ مانتا تھا۔ ابرار میں اس حوالے سے کچھ کمی پائی جاتی تھی۔ اس لیے فطری طور پہ ہمارا دلی لگاؤ آصف کے ساتھ زیادہ تھا۔ ابرار سے یہ بات برداشت نہ ہوتی تھی اور پھر آج سے کچھ روز قبل ہمیں اپنے خفیہ ذرائع سے اطلاع ملی کہ ابرار نے ایک سانپ کو خاص اس لیے تربیت دی ہے آصف کو ہماری نظروں سے گرا سکے۔ اس نے تربیت یہ دی ہے کہ سانپ اس کے اشارے پہ، اشارے کے وقت اپنے قریب لوگوں میں سے اس شخص کو ڈس لیتا ہے جس کو اس وقت وہاں سب سے اونچی جگہ

پہ بیٹھے شخص سے باقی لوگوں کی نسبت زیادہ محبت ہوتی ہے ۔ہمیں اطلاع ملی تھی کہ ابرار اس کے ذریعے کوئی موقع دیکھ کر آصف کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں اب آصف کو بچانا بھی تھا اور اس کی وہ محبت بھی لوگوں کے سامنے لانا تھی جس کی بناء پہ اسے ہماری قربت کا اعزاز حاصل ہے۔

لہٰذا ہم نے ہیروں والی تھیلی کے چور کے قتل کا دن مقرر کر دیا۔

"مگر آصف نے آپ کے ہیروں کی چوری کی ہے۔ اسے کہاں کی محبت؟" ابرار نے مداخلت کی۔

"جی نہیں! آصف نے چوری نہیں کی" بادشاہ سلامت کہنے لگے۔

"ہم نے کہا تھا، ہماری "ہیروں والی تھیلی" گم ہوگئی ہے اور واقعی ہماری ایک ہیروں والی تھیلی گم ہو چکی ہے۔ یعنی ایسی تھیلی جس میں ہم ہیرے رکھتے تھے مگر وہ جب گم ہوئی تو خالی تھی۔ ہمارے کوئی ہیرے گم نہیں ہوئے۔ لہٰذا ہم نے جھوٹ نہیں بولا اور آصف نے بھی جھوٹ نہیں بولا کیونکہ یہ ہمارے ہیروں کی دیکھ بھال کے لیے ان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھتا اٹھاتا رہا ہے۔"

ابرار کا سر جھک چکا تھا۔۔ ادھر بادشاہ سلامت کہہ رہے تھے۔

"ہم نے قتل کی خواہش کا اظہار کیا اور ہمارا وفادار وزیر فقط ہمارے شوق کی تسکین کے لیے بظاہر ہیروں کا چور بن کر خود تیز دھار چھرا لیے اپنی گردن پیش کرنے کے لیے حاضر ہو گیا اور ہم جانتے تھے، ابرار آصف کی موجودگی کے بغیر اپنے سانپ کو استعمال نہیں کرے گا۔

لہٰذا ہم نے ایک شخص کو آصف کا بہروپ دے کر اپنے قریب بٹھا لیا تھا۔ آج کے اس قصے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ اگر ہم آصف سے زیادہ محبت رکھتے ہیں تو وہ اس محبت کا خراج دینا بھی جانتا ہے۔ محبت کے لیے گردن کٹوانا جانتا ہے۔ ہاں مگر سانپ کے عمل سے ابرار کی بھی ہم سے شدید محبت سامنے آئی ہے مگر محبوب کی موجودگی میں اس کے برابر بیٹھنے کی خواہش رکھنے کی گستاخی کرنے والے اول نمبر کے محب نہیں کہلاتے۔ ابرار ہمارا وزیر تو رہے گا۔ اور ہم اس کی سب غلطیاں اس کی محبت کی وجہ سے معاف بھی کرتے ہیں مگر یہ ہمارا راز دان نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ اس قصے سے اپنا اعتماد کھو چکا ہے اور خادم خاص تو وہی ہوتا ہے جو اپنی گردن کٹوانے کے لیے پیش کر دے۔"

جی قارئین! کیا کہا؟ کہانی ختم ہوگئی؟؟ جی نہیں! کہانی تو اب شروع ہو رہی ہے۔ میری اور آپ کی کہانی۔ آیئے! ہم آج سے عہد کرتے ہیں کہ ہم بھی اللہ جی اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی ہی محبت کریں گے جس میں عاجزی ہو۔ ہم ایسی محبت کریں گے کہ جب گردن پیش کرنے کا اشارہ پائیں، گردن پیش کر دیں اور کٹوا دیں، کہ یہ اول درجے کی محبت ہے۔ نہ کہ ایسی محبت کریں کہ آستین میں سانپ پالتے پھریں۔

وہ بھی اللہ جی کے پیاروں کو مارنے کے لیے!!!

ختم شد

❁❁❁

عیدی

بیگم سیدہ ناجیہ شعیب

جیب میں تنخواہ کے کڑکڑاتے نئے نوٹوں کی مسحور کن خوشبو اس کے اعصاب پر سوار تھی۔ اس کی مہینہ بھر کی محنت کا صلہ اس کا رزقِ حلال اس کے خون پسینے کی کمائی اس کے ہاتھوں میں موجود تھی۔ بینک سے اپنی پوری تنخواہ پاکستان کے بینک میں ٹرانسفر کرنے کے بعد بے اختیار اسامہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ احساسِ تشکر سے اس کا دل لبریز تھا۔ رواں رواں اپنے پروردگار کی عنایت کردہ نعمتوں کا شکر ادا کر رہا تھا۔ وہ اپنا فرض ادا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

❁❁❁

تنکا تنکا جوڑ کر اماں نے اسے باہر ملک کمانے کے لیے بھیجا تھا۔ اپنے پیاروں سے بہت دور سات سمندر پار وہ بالکل اکیلا تھا۔

کتنی عیدیں آئیں اور چلی گئیں۔ وہاں اماں اس کی یاد میں تڑپتی رہتیں یہاں اسے بھی ایک پل قرار نہیں آتا تھا۔ مگر ذمے داریوں کا بوجھ اس قدر تھا کہ وہ اپنے ملک جانے کی بس حسرت ہی کر سکتا تھا۔ ہر سال عید گھر والوں کے ساتھ منانے کا ارادہ کرتا مگر اس کے وسائل کم اور اخراجات زیادہ تھے۔ سو وہ ہر مرتبہ اپنا دل مسوس کر رہ جاتا۔

❁❁❁

پرائے دیس میں ان تھک محنت سے کام کرتے اور ڈھیر سارے پیسے کماتے کماتے سات سال گزر گئے۔

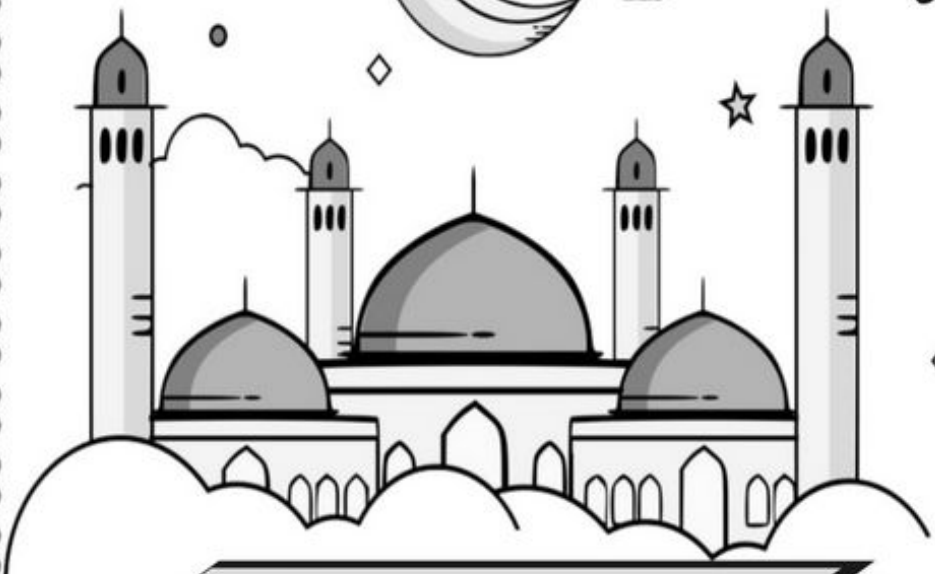

ہمیں ہماری عیدی ملی مگر اس شکل میں ملے گی ہم نے سوچا بھی نہیں تھا

اس کے چھوٹے بہن بھائی بڑے ہو گئے تھے۔ اسکول جانے والے اب کالج جانے لگے تھے۔ دو بہنوں کی شادیاں بھی اسی کی کمائی سے ہو گئیں۔ بڑے بھائی کی ذمے داریوں میں دن بدن اضافہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ دوسرا کوئی بھی اس کا بازو بننے کو تیار نہیں تھا۔

بس ایک اماں تھیں جو اس کی راہ تکتی رہتیں۔ ہر عید بقرہ عید پر اس کی کمی شدت سے محسوس کرتیں۔ باقی سب کو تو بس اس کے بھیجے ہوئے پیسوں سے مطلب تھا۔ وہ بہت دکھی تھا۔

❁❁❁

اس مرتبہ اماں فون پر بات کرتے کرتے بلک بلک کر رونے لگیں کہ انہیں چپ کروانا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے ضد ہی پکڑ لی تھی اسامہ نے بہت سمجھایا، بہانے تراشے مگر سب بے سود ثابت ہوئے۔ اماں کسی طور راضی نہیں ہوئیں بس ایک ہی رٹ لگائے رکھی۔

''میں کچھ نہیں جانتی۔ تم پاکستان آ جاؤ!''

وہ حیران پریشان کہ اماں کو یک دم کیا ہو گیا جو ایک ہی بات مسلسل دہرائے جا رہی ہیں۔ اس نے تنگ آ کر فون بند کر دیا۔ پھر وہ جب اسے پاکستان آنے کا کہتیں وہ انہیں ٹال دیتا۔

❁❁❁

آج چاند رات تھی اور کل عید۔ ہر طرف خوب گہما گہمی کا عالم تھا۔ بازاروں، گلی محلے میں لوگوں کی چہل پہل تھی۔ مساجد کو اعتکاف سے اٹھنے والوں کی آمد و رفت نے پر رونق کر رکھا تھا روزے دار اللہ کے پیارے لیلۃ الجائزہ میں بھی عبادات میں مشغول تھے۔ انعام تو بنتا ہے ناں۔ آپی اور باجی کے شوہر مسجد سے ابھی تک گھر نہیں لوٹے تھے۔ منجھلے بھیا دودھ، دہی خریدنے کے لیے محلے کی دکان کے باہر قطار میں کھڑے اپنے باری کا انتظار کر رہے تھے اور چھوٹے بھیا درزی کی دکان پر اپنے عید کے کپڑوں کی وصولی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

❁❁❁

شہود ولا میں خوب افراتفری مچی ہوئی تھی۔ ہر ایک کو اپنے ادھورے کام یاد آ رہے تھے۔ کوئی بہت خوش تھا تو کوئی پریشان۔ باجی گھر بھر کے کپڑوں میں ازار بند اور الاسٹک ڈالنے میں الجھی ہوئیں تھیں، آپی باروچی خانے میں سویاں بنانے میں مصروف تو چھٹکی صفائی ستھرائی کرنے میں مگن اور چھوٹے بچے افف انہوں نے تو ایسا ہلڑ مچا رکھا تھا کہ کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ان سارے جھنجھٹوں سے بے نیاز سب سے الگ تھلگ اماں اپنے کمرے میں سجدے میں ہچکیاں لے لے کر دعائیں مانگنے میں مشغول تھیں۔

❁❁❁

''ارے دیکھو! دروازہ کب سے بج رہا ہے۔ کسی کو بھی آواز سنائی نہیں دے رہی کیا؟''

آپی نے باروچی خانے سے چیخ کر کہا۔

شہود ولا کے داخلی دروازے پر کھڑے اسامہ کو دیکھ کر وہ سب دنگ رہ گئے تھے۔

''بڑے بھیا آپ.....!؟'' جبکہ بھانجے حیران ہوکر سوچ رہے تھے کہ یہ بڑے بھیا ہمارے کون ہیں؟

اسامہ کی اچانک آمد یہ سب گھر والوں کے لیے بہت بڑا سرپرائز تھا۔ سب کے چہروں پر حیرت غالب تھی۔ اماں کی خوشی دیدنی تھی ان کی دعا جو قبول ہوگئی تھی۔ گویا عید سے پہلے ہی ان کی عید ہوگئی تھی۔

اسامہ کو اپنے سامنے دیکھ کر اماں فوراً کلمۂ شکر بجا لائیں۔ سب بہن بھائی اپنے بڑے بھائی سے خوب محبت اور جوش سے ملے۔ سب کی اداسی ختم ہوگئی تھی آج وہ سب خوش تھے بہت خوش۔

ان کی یہ عید یادگار اور حسین ہونے والی تھی۔ رات دیر تک سب اسامہ کو گھیرے میں لیے بیٹھے کھٹی میٹھی یادیں تازہ کرتے ہنستے روتے رہے۔ وہ تو اماں نے زبردستی سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر سلا دیا اور خود پوری رات صبح تک جاگ کر مختلف کاموں میں مصروف رہیں۔

عید کی صبح نمازِ فجر میں ہی سارے گھر والے بیدار ہو گئے تھے۔ نماز ادا کرنے کے بعد سب کی نمازِ عید الفطر کی تیاریاں عروج پر تھیں نئے نکور لباس پہن کر بچے بڑے جلدی جلدی نماز پڑھنے عید گاہ کی طرف روانہ ہوگئے تو گھر میں خواتین سارا بکھیڑا سمیٹنے میں مصروف ہوگئیں۔ اور مردوں کے گھر میں آنے سے پہلے پہلے وہ لوگ بھی عید کے کپڑے جوتے پہن کر تیار ہوگئیں۔

آپی جی نے عید تو کے پکوانوں سے دسترخوان سجا دیا تھا۔ شیر خورمہ، کباب، دہی بڑے، چھولے اور بڑے بھیا کی پسندیدہ رس ملائی جو اماں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی تھی۔

❁❁❁

''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
عید مبارک، عید مبارک''

''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
خیر مبارک جگ جگ جیو! میرے بچو!''

اماں جی نے اسامہ کی بلائیں لیتے ہوئے سب بچوں کو خوب دعائیں دیں۔

''بڑے بھیا! عیدی دیں!'' اپنی خالہ اور ماؤں کو بڑے بھیا بڑے بھیا کہتا دیکھ کر باجی کے بچوں نے اسامہ کے سامنے لاڈ سے عیدی کا مطالبہ کیا تو ان کی دیکھا دیکھی آپی کے بچے بھی کورس میں لہرا لہرا کر بڑے بھیا عیدی دیں کہنے لگے۔ باجی آپی کے ٹوکنے پر بچے بڑے بھیا کی بجائے ''بڑے ماموں! عیدی دیں! بڑے ماموں! عیدی دیں!'' کہنے لگے۔

ساری بچہ پارٹی نے اسامہ کو دیکھ کر ''عیدی عیدی'' کا شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ ہر سال اپنی محنت سے کمائی رقم بصورت تگڑی عیدی بذریعہ بینک پاکستان بھیجنے والا اسامہ آج خالی ہاتھ سر جھکائے چپ چاپ کھڑا تھا۔ اماں سے برداشت نہیں ہوا ان کا محنتی سعادت مند بیٹا اب کی بار ان کی خاطر اپنی ساری جمع پونجی لگا کر بالآخر پاکستان چلا آیا تھا۔

وہ دکھ سے بول اٹھیں:

''ہشش خبردار!!! اس مرتبہ کسی کو بھی عیدی نہیں

ملے گی‘‘

’’ہیں! کیوں؟‘‘ سب نے اماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا، بڑے بھیا بھی اماں کو حیرت سے تکنے لگے۔

’’آپ کے بڑے بھیا بہت مشکلوں سے اپنا ڈھیر سارا خرچہ کر کے اتنی دور ہمارے پاس، صرف ہمارے ساتھ عید منانے آئے ہیں۔ انہوں نے ہمارے لیے اتنا کچھ کیا اور ہم نے انہیں بدلے میں کیا دیا؟‘‘

اماں کے گلوگیر لہجے نے سب بہن بھائیوں کی آنکھیں کھول دیں تھیں۔

’’ہاں اماں! ہم نے بھیا سے تحفے سمیٹنے اور پیسے بٹورنے کے علاوہ اور کیا ہی کیا ہے؟‘‘ آپی نے اماں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

چھوٹے اور منجھلے بھیا سر جھکائے شرمندہ شرمندہ سے کھڑے تھے۔ انہوں نے اپنے محسن بڑے بھیا کو ان کے احسانوں کا بدلہ چکانے کے بجائے مزید ذمہ داری کا بوجھ بڑھانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

’’اماں جی! ہمیں تو ہماری عیدی مل چکی ہے۔‘‘

’’ہیں!!‘‘

چُھٹکی بہنا نے مسکراتے ہوئے ذومعنی انداز میں کہا تو سب فرطِ حیرت سے چلا اٹھے۔

’’بھئی اس مرتبہ عیدی میں ہمیں بڑے بھیا ملے ہیں اور بڑے بھیا کی موجودگی ہماری سب سے بڑی اور تگڑی عیدی ہے۔‘‘

’’بے شک، بے شک‘‘

سب نے تائید میں ہنستے ہوئے سر ہلایا۔ شہود وِلا کی رونقیں لوٹ آئیں تھیں۔

❁❁❁

والدین

ایک بزرگ بیمار ہوئے تو ان کی والدہ ان کی عیادت کو تشریف لائیں وہ بزرگ اپنی والدہ کی آمد کا سُن کر ہشاش بشاش ہو کر اٹھے اور والدہ کے سر اور پاوں کا بوسہ لیا اپنی حالت کا ادراک ان کو نہ ہونے دیا اور نہایت چستی کی حالت میں بیٹھ کر والدہ سے بات چیت کرتے رہے مگر جونہی والدہ گھر سے رخصت ہوئی یہ تکلیف کی وجہ سے بستر پر گر پڑے اور ان پر غشی طاری ہوگئی۔ جب ہوش آیا تو اہل خانہ نے پوچھا کہ آپ نے اس طرح اپنے آپ کو مشقت میں کیوں ڈالا؟؟

تو فرمانے لگے کہ بچے کی ہر ہائے اور درد بھری آواز والدین کے دل میں زخم کر دیتی ہے اس لیے میں اپنی والدہ کو اس عذاب سے گزارنا نہیں چاہتا تھا۔

ہوسکتا ہے آپ کے والدین نے آپکی توقعات کو پورا نہ کیا ہو مگر یقین کریں ان کے پاس جو بھی تھا انہوں نے وہ سب آپ پر لٹا دیا ہے! جب ہم زندگی کی رونقوں میں مشغول ہوتے ہیں تو چاہے والدین کو بھول جائیں لیکن دکھ میں سب سے پہلے وہی یاد آتے ہیں۔۔!!

محمد شاہد

اقصیٰ کے آنسو

عمارہ جہادی

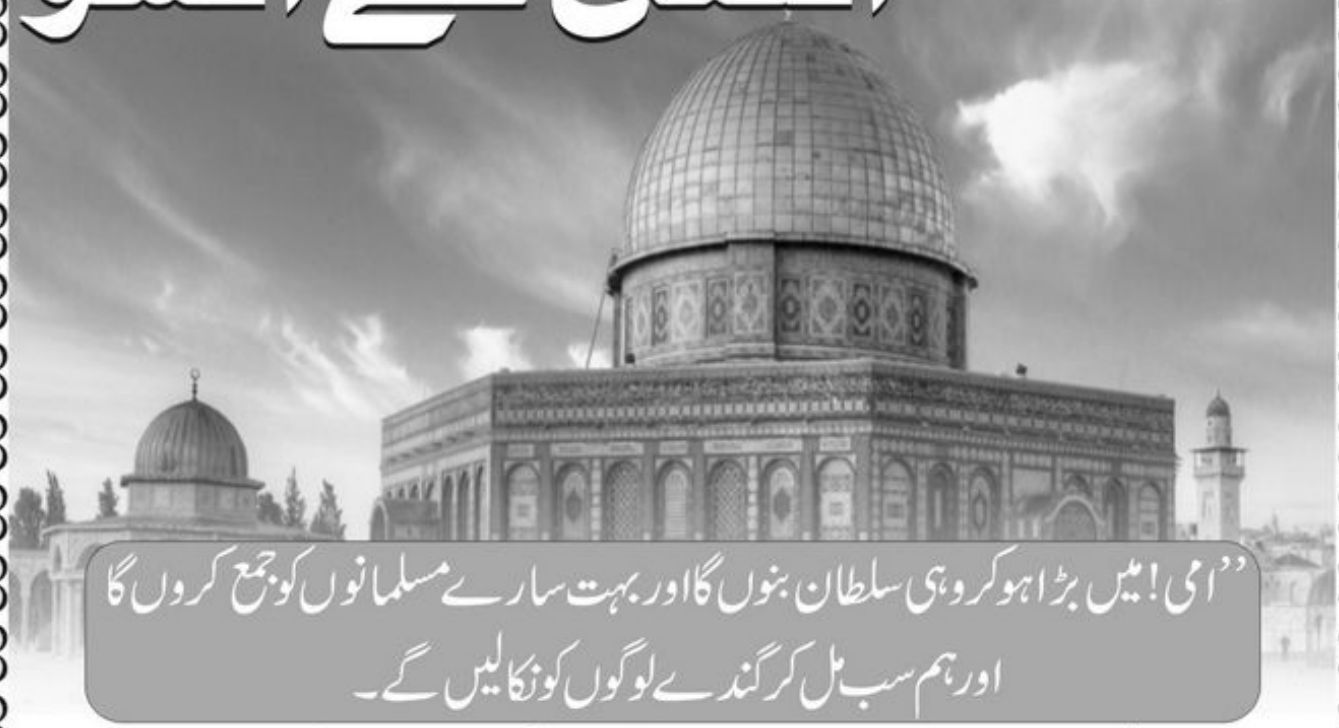

''امی! میں بڑا ہو کر وہی سلطان بنوں گا اور بہت سارے مسلمانوں کو جمع کروں گا اور ہم سب مل کر گندے لوگوں کو نکالیں گے۔

''امی! یہ مسجد کون سی ہے؟

ارے ایک اور مسجد کی تصویر بھی ہے۔'' ننھا عبداللہ اخبار کے اندرونی صفحات پر بنی مساجد کی وضع قطع اور بناوٹ میں غور کر رہا تھا اور ساتھ ہی سوالات بھی کر رہا تھا۔

''بیٹا! یہ فیصل مسجد ہے، یہ فلاں اور یہ فلاں''

میں میگزین کا مطالعہ بھی کر رہی تھی اور اس کے سوالات کا جواب بھی دے رہی تھی۔

''ایک اور مسجد! گولڈن مسجد، امی مسجد گولڈن بھی ہوتی ہے۔ یہ کتنی پیاری ہے۔ ہم اس میں جائیں گے؟''

میں میگزین سے نظر ہٹا کر اخبار پر ڈالی تو یہ مسجد اقصیٰ تھی۔ میں پریشان ہوگئی کہ اس ننھے بچے کو جو ابھی چھ سال کا بھی نہیں تھا، کس طرح سمجھاؤں۔

''بیٹا! یہ مسجد بہت اچھی ہے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پسند تھی، مگر ہم ابھی اس میں نہیں جا سکتے، کیونکہ گندے لوگوں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے۔''

''کیا گندے لوگ بھی اس میں نماز پڑھتے ہیں، دوسرے لوگ نہیں پڑھتے؟''

''وہ نماز نہیں پڑھتے۔''

''امی! تو وہ مسجد میں کیا کر رہے ہیں؟''

مجھے اس کی باتوں پر غصہ آنے لگا، کیونکہ میرے پاس اس کی باتوں کا جواب نہیں تھا۔ میں نے کچھ دیر سوچا، پھر کہا:

''وہ لوگ مسجد کو گندہ کر رہے ہیں، وہ جوتے پہن کر مسجد میں گھس جاتے ہیں۔''

ابھی عبداللہ کو نماز پڑھنا نہیں آتی، مگر مسجد کے آداب کا علم ہے، اپنے والد کے ساتھ نماز پڑھنے جاتا ہے، چنانچہ میری بات سن کر اسے بھی غصہ آنے لگا، بولا:

''امی! ان گندے لوگوں کو نکال کیوں نہیں دیتے۔

انہیں مسجد سے بھگا دینا چاہیے۔''

''ہاں بیٹا! انہیں بھگانا ہمارا فرض ہے، یعنی ہمیں ضرور بھگانا چاہیے، مگر بیٹا ہم اکیلے نہیں بھگا سکتے ناں، وہ لوگ زیادہ ہیں۔ اس کے لیے بہت ساری طاقت چاہیے۔''

''امی! طاقت کیسے ملے گی؟'' عبداللہ نے سوال کیا۔

''اور طاقت ایسے ملے گی کہ ہم بہت سارے لوگ (مسلمان) جمع ہو کر انہیں بھگا دیں''

''امی! میں جمع کروں گا لوگوں، سب سے کہوں گا کہ آؤ گندے لوگوں کو بھگا دیں۔''

''آپ کیسے جمع کریں گے لوگوں (مسلمانوں) کو؟'' میں حیران رہ گئی۔

''امی! سب کے دروازے کھٹکھٹاؤں گا کہ آؤ ہم سب مل کر گندے لوگوں کو بھگائیں۔ یہ مسجد ہماری ہے، ہم سب اس گولڈن مسجد میں نماز پڑھیں گے، پھر سب جمع ہو جائیں گے۔'' اس نے کتنا پیارا جواب دیا تھا، کاش یہ کام اس طرح ممکن ہو جائے۔

''عبداللہ بیٹا! اگر ان لوگوں کو جمع کرنا اتنا آسان ہوتا تو کیا ہی بات تھی۔ وہ نہیں آئیں گے۔'' میں بھرائے ہوئے لہجے میں بولی۔

''امی!!! انہیں کس نے منع کیا ہے۔ کیوں نہیں آئیں گے وہ؟؟؟''

مجھے پھر الجھن ہونے لگی کہ اتنے چھوٹے سے ذہن کو کیسے سمجھاؤں۔ میں نے سوچ کر کہا:

''انہیں موبائل، انٹرنیٹ ٹی وی نے روکا ہوا ہے۔ کھیل کود نے روکا ہے، بہت سے لوگ آپس میں لڑنے میں لگے ہوئے ہیں، کچھ لوگوں کو بازار جانا ہوتا ہے، کچھ لوگوں کو دعوت میں جانا ہوتا ہے اور کسی کے گھر مہمان آ رہے ہوتے ہیں، اس لیے ان کے پاس وقت نہیں ہوتا۔''

بہر حال میں اپنے بچے کو مطمئن نہ کر سکی۔ اس وقت وہ اگرچہ خاموش ہو گیا تھا۔ میں اطمینان سے میگزین کا مطالعہ کرنے لگی، مگر مجھے معلوم تھا کہ اس کے سوالوں کا یہ جواب نہیں ہے۔ تھوڑی دیر وہ مسجد کو دیکھتا رہا، پھر مجھ سے کہنے لگا:

''امی! مجھے اس مسجد کی کہانی سنائیے!''

میں نے اسے وہ ''کہانی'' سنائی جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے کارناموں پر مبنی سچی داستاں تھی۔ جس میں یہودیوں کے خون آشام مظالم، پھر مسجد اقصیٰ پر قبضہ، مسلمانوں کا قتلِ عام اور پھر سلطان کی فتح، عام معافی اور مسجد کی دوبارہ آبادی کی داستان تھی۔ ساتھ ہی اسے کھو دینے کا دکھ اور اقصیٰ کی پکار تھی کہ مجھے کون آزاد کرائے گا۔

''بیٹا! یہ مسجد رو رہی ہے، چیخ رہی ہے۔''

''امی!!! امی !!!مسجد کیوں رو رہی ہے؟؟؟'' عبداللہ نے حیران ہو کر کہا۔

''وہ اس لیے کہ گندے لوگوں کو میرے اندر سے باہر نکالو، میرے اندر اللہ کا نام لو اور نماز پڑھو۔ وہ مسجد پھر اسی بادشاہ کا انتظار کر رہی ہے جس نے پہلے گندے لوگوں کو اس میں سے نکالا تھا۔'' میں نے کہا۔

''امی! میں بڑا ہو کر وہی بادشاہ بنوں گا اور بہت سارے لوگوں (مسلمانوں) کو جمع کروں گا اور ہم سب مل کر گندے لوگوں کو نکالیں گے۔ میں اس میں ضرور جاؤں گا اور نماز پڑھوں گا۔'' میں نے کہا۔

''ان شاء اللہ، تم بھی کہو ان شاء اللہ۔''

''ان شاء اللہ!'' وہ پکارا اٹھا۔

مجاہد

ریحانہ جہادی

1۔مجاہد اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔

2۔مجاہد جب میدان جنگ میں اکڑ کر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر فخر فرماتے ہیں۔

3۔مجاہد کا میدان جنگ میں ایک منٹ کا قیام عابد کی ستر سالہ بے ریا عبادت سے افضل ہے۔

4۔مجاہد کا رات کو پہرہ دینا حجر اسود کے پاس کھڑے ہو کر لیلۃ القدر کی عبادت سے افضل ہے۔

5۔مجاہد کا ایک دن و رات غیر مجاہد کے مہینہ کے روزوں اور رات کے قیام سے افضل ہے۔

6۔مجاہد کے پاؤں کا غبار اور جہنم کا دھواں کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔

7۔مجاہد کے دن گھوڑے کی پیٹھ اور رات مصلّے پر گزرتی ہے۔

8۔مجاہد کی عبادت پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

9۔مجاہد سرحدات کو محفوظ کر کے پوری امت کے اعمال کا اجر و ثواب کماتا ہے۔

10۔مجاہد کے لیے بلوں میں کیڑے سمندر میں مچھلیاں فضاؤں میں پرندے بھی دعا کرتے ہیں۔

11۔مجاہد کی پشت پر مظلوموں کی دعائیں ہوتی ہیں

12۔مجاہد کے لیے رات کی تنہائی میں امت کی مائیں بیٹیاں اور بہنیں آنسو گراتی ہیں۔

13۔مجاہد کی ہمت عزم اور نظر کی بلندی پر آسمان بھی رشک کرتا ہے۔

14۔مجاہد کی ثابت قدمی اور استقامت کے سامنے پہاڑ بھی گردن جھکا دیتا ہے۔

15۔مجاہد کی عاجزی وانکساری کے سامنے زمین بھی شرمندہ ہوتی ہے۔

16۔مجاہد مصائب میں الجھ کر مسکراتا ہے۔
17۔مجاہد ہر مشکل کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرتا ہے
18۔مجاہد کو شجاعت اور بہادری بھی سلام کرتی ہے
19۔مجاہد صابر ہوتا ہے۔
20۔مجاہد جفاکش ہوتا ہے۔
21۔مجاہد قناعت، زہد، سادگی میں بے مثال ہوتا ہے۔
22۔مجاہد توحید کی دعوت اپنے عمل سے دیتا ہے۔
23۔مجاہد خاموش داعی ہوتا ہے۔
24۔مجاہد کی زندگی دین کا نمونہ ہوتی ہے۔
25۔مجاہد کی جان و مال کی قیمت جنت ہے۔
26۔مجاہد کا زیور مجاہد کا اسلحہ ہوتا ہے۔
27۔مجاہد کا اصل سامانِ حرب اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہوتا ہے۔
28۔مجاہد مسلح ہو کر بھی اپنے امیر کی اطاعت کرتا ہے۔
29۔مجاہد طاقتور ہو کر بھی کمزور پر ہاتھ نہیں اٹھاتا
30۔مجاہد کے نعرے کفر پر ایٹم بم بن کر گرتے ہیں
31۔مجاہد مسلمانوں کے ایمان عزت مال اور جان کا محافظ ہوتا ہے۔
32۔مجاہد جاگتا ہے جس کے بھروسہ پر پوری امت مسلمہ سوتی ہے۔
33۔مجاہد اپنا خون پیش کر کے امت کے خون کو محفوظ کر دیتا ہے۔
34۔مجاہد اشاعت دین کے دروازے کھولتا ہے۔
35۔مجاہد اپنوں کے لیے ریشم اور غیروں کے لیے فولاد ہوتا ہے۔
36۔مجاہد کو اپنے مشن اور پروگرام کی صداقت پر چڑھتے سورج سے زیادہ یقین ہوتا ہے۔
37۔مجاہد کی مدد و نصرت کے لیے آسمان سے فرشتے اترتے ہیں۔
38۔مجاہد کی بیوی کی حرمت مسلمانوں پر ماں کی طرح ہے۔۔۔
39۔مجاہد کی آواز پر درندے بھی جنگل کے جنگل خالی کر دیتے ہیں۔
40۔مجاہد کے لیے کائنات کی ہر چیز مسخر ہو جاتی ہے۔
41۔مجاہد اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔
42۔مجاہد اللہ تعالیٰ کا سچا عاشق ہوتا ہے۔
43۔مجاہد اللہ تعالیٰ کا حقیقی فرمانبردار ہوتا ہے۔
44۔مجاہد کی جان اور مال کا خریدار اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔
45۔مجاہد کی جان و مال کی قیمت جنت ہے۔
46۔مجاہد کے استقبال کے لیے حوریں جنت سے زمین پر اترتی ہیں۔
47۔مجاہد کے خون کے پہلے قطرے سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔
48۔مجاہد اپنی روح بدن سے جدا ہونے سے پہلے جنت میں اپنا محل دیکھ لیتا ہے۔
49۔مجاہد کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔
50۔مجاہد کا جاگنا سونا کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا رکنا چلنا جینا مرنا سب عبادت ہی عبادت بلکہ عابدین کے لیے بھی قابل رشک ہے۔!

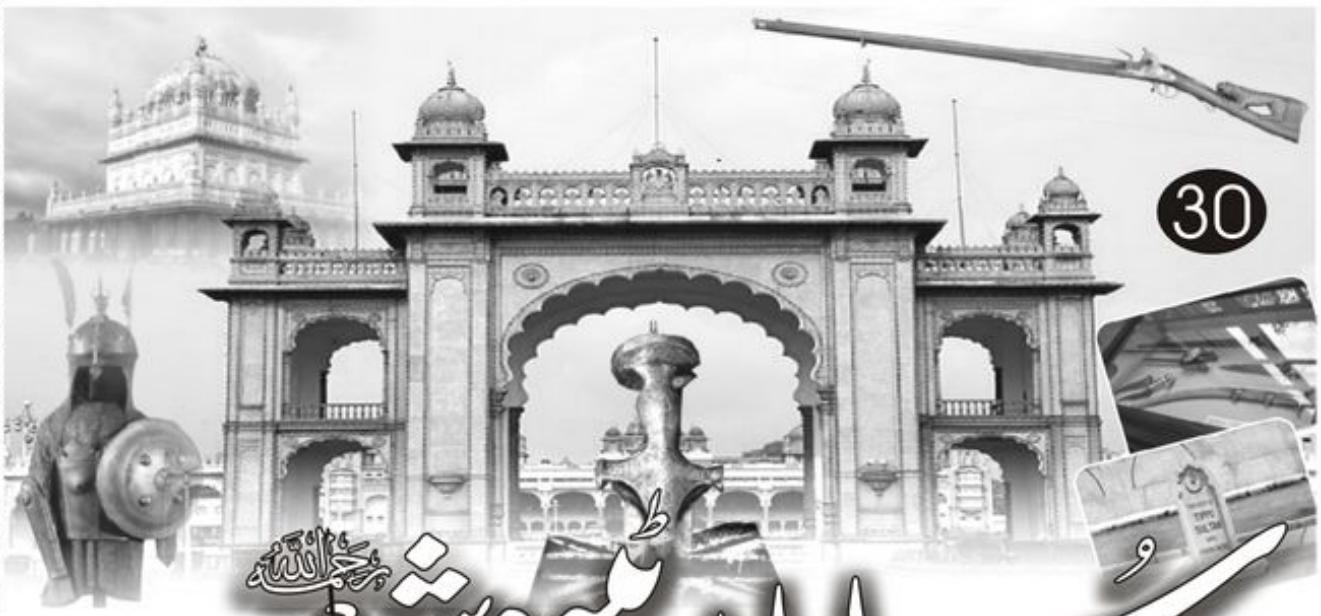

سلطان ٹیپو شہید رحمۃ اللہ

عبدالحفیظ امیرپوری

ایک طرف اپنے زرخیز ترین علاقے کے کھو جانے کا غم.....اور دوسری طرف شہزادے کریم شاہ کی بیماری۔ بے پناہ محبت کرنے والے باپ نے قوم کے دوسرے بیٹوں کے غم میں اپنے بیٹے کی بیماری کو بظاہر فراموش کر دیا تھا لیکن اب بھی اس کا دل سرنگا پٹم کے محل میں موجود تھا اور وہ غائبانہ طور پر کریم شاہ کو مخاطب کر کے کہا کرتا تھا۔

''بیٹے! میں تمہاری تیمار داری کو ضرور آتا مگر یہاں میرے دوسرے بیٹوں کی زندگی بھی خطرے میں ہے۔ اس لئے باپ کی اس مجبورانہ کوتاہی کو معاف کر دینا۔''

حیدر علی نے یہی الفاظ اپنے ایک خط میں بھی شہزادہ کریم شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھے تھے۔ سرنگا پٹم سے اب تک کئی قاصد والئی میسور کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اطلاع دے چکے تھے کہ شہزادہ کریم شاہ کی حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔ حیدر علی بڑے صبر و ضبط سے پریشان کن خبریں سنتا اور آسمان کی طرف دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھتا۔

''اگر میرے پیدا کرنے والے کی یہی مرضی ہے کہ میرا بیٹا مجھ سے بچھڑ جائے تو میں اس کے فیصلے پر راضی ہوں۔ اگر کریم شاہ کے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے تو پھر میں کیا، اگر سارا عالم مل کر بھی مسیحائی کرے تو اس کے سفر کو کوئی نہیں روک سکتا۔''

ایک بار پھر تمام سیاسی مشیروں اور فوجی افسروں نے والئی میسور کو مشورہ دیا کہ وہ کچھ دن کے لیے سرنگا پٹم چلے جائیں۔ اگر خدانخواستہ شہزادے کو کچھ ہو گیا تو ساری زندگی ایک عجیب سی خلش باقی رہے گی۔

''میں یہاں کیف ونشاط کی محفلیں نہیں سجا رہا ہوں۔'' حیدر علی اپنے مشیروں پر برہم ہوگیا۔

''میں اپنے دشمن سے حالت جنگ میں ہوں۔ محاذ کو کیسے کھلا چھوڑ دوں؟ حیدر نگر کی بنیادوں میں میرے سینکڑوں جانبازوں کا خون شامل ہے۔ میں اس خون کو مادھوراؤ کے ہاتھوں کیسے فروخت کردوں؟''

''آپ اپنے جانبازوں کی قربانیوں کو فروخت کب کررہے ہیں؟'' ایک فوجی افسر مرزا حسین علی بیگ نے عرض کیا۔ ''آپ تو شہزادے کی عیادت کے لیے تشریف لے جارہے ہیں۔''

''تجھے معلوم ہے حسین علی بیگ! کہ میرے کتنے سپاہی اپنے گھروں سے یہ کہہ کر نکلے تھے کہ وہ بہت جلد فاتحانہ انداز میں واپس آئیں گے اور اپنے پیاروں کے روشن چہرے دیکھ کر زندگی کی نئی خوشیاں حاصل کریں گے۔''

''بے شک نواب بہادر!'' مرزا حسین علی بیگ نے اعتراف کیا۔

''کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ لوگ اپنے گھروں کو واپس نہیں پہنچے۔ مہینوں اور برسوں ان کے دروازے کھلے رہے۔'' نواب حیدر علی انتہائی جزباتی لہجے میں بول رہا تھا۔ ''ان کے بیوی بچے اور بوڑھے ماں باپ انتظار ہی کرتے رہے مگر وہ اپنے گھروں کو لوٹنے کے بجائے دوسرے راستے پر چلے گئے۔ کیا وہ انسان نہیں تھے؟ اور کیا میں ان سے ارفع واعلیٰ کوئی مخلوق ہوں؟ پھر میں کیوں چلا جاؤں؟ میرے سپاہیوں میں سے کتنوں کے بیٹے بیمار ہوں گے اور کتنوں کے عزیز واقارب قبروں میں اتارے جاچکے ہوں گے۔ پھر وہ کیوں اپنے گھروں کو نہیں چلے جاتے؟ میرے ساتھ اس طوفانی موسم میں کیوں مارے مارے پھر رہے ہیں؟''

''آپ میں اور عام سپاہیوں میں بڑا فرق ہے نواب بہادر!'' مرزا حسین علی بیگ نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔ ''آپ امیر قافلہ ہیں اور ہم سب مسافر۔ اگر سالار کارواں ہی بے قرار ومضطرب رہے گا تو پھر یہ بھٹکے ہوئے مسافر کس طرح آسودۂ منزل ہوں گے؟''

''نہیں۔ مجھ میں اور میرے سپاہیوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' حیدر علی کا جاہ وجلال پوری شدت کے ساتھ نمایاں ہوگیا تھا۔ ''وہ میر قافلہ ہی نہیں جو مسافروں کے جزبوں پر اپنی ضرورتوں کو ترجیح دے اور پھر حیدر نگر کے باشندے میرے بارے میں کیا سوچیں گے کہ میں نے ان کے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا عہد کیا تھا مگر جب ان پر برا وقت پڑا تو میں صرف اپنے بچے کی بیماری کی خبر سن کر سرنگاپٹم چلا گیا۔ نہیں حسین علی بیگ! مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میں اس دن سے بہت ڈرتا ہوں جب مالک حقیقی کی عدالت آراستہ ہوگی اور مجھے ایک ایسے مجرم کی حیثیت سے پیش کیا جائے گا جو بندگان خدا کے حقوق کا غاصب وخائن تھا۔ جو کریم شاہ کا خالق ہے، وہی اس کا مسیحا بھی ہے۔ تم مطمئن رہو۔ تمہارا امیر کارواں اپنے بچے کے غم میں مضطرب نہیں ہے۔ اسے حیدر نگر کے ان بچوں کا غم ہے جو مصیبت کے اس کڑے وقت میں اپنے باپ کو پکار رہے ہیں اور مجبور باپ، کھلے آسمان کے نیچے ایک جنگل میں خیمہ زن ہے۔''

حیدر علی کے اس جزبے سے سپاہی اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ پھر تمام افسر اور فوجی، والئ میسور کو بتائے بغیر ایک میدان میں جمع ہوئے۔ ننگے سروں کے ساتھ ان سب نے نماز ادا کی اور بڑے عاجزانہ لہجے میں شہزادہ کریم شاہ کی صحت یابی کی گڑگڑا کر طویل دعا مانگی۔

جب آخری لمحات میں والئ میسور کو اپنے سپاہیوں کی اس والہانہ عقیدت ومحبت کی خبر ملی تو وہ خود بھی سب سے پچھلی صف میں شامل ہوگیا۔ پانچویں دن سرنگا پٹم سے فاطمہ بیگم کا قاصد یہ جانفزا خبر لایا کہ شہزادہ کریم شاہ کا بخار اتر چکا ہے اور اب وہ مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا ہے۔ فاطمہ بیگم نے شوہر کے نام اپنے خط میں اس واقعے کی تفصیل لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا۔

''جب سرنگا پٹم کے تمام طبیب عاجز آ چکے اور ہم شہزادے کی زندگی سے مایوس ہو چکے تو ایک دن سرنگا پٹم کے مجذوب، بابا عبدالرحمن شاہ، ٹیپو سلطان سے ملنے کے لیے محل تشریف لائے اور فرمانے لگے۔

''شہزادے! ہم جارہے ہیں۔ اپنا وعدہ یاد رکھنا!''

ٹیپو انہیں پہچان نہیں سکا اور حیرت زدہ لہجے میں کہنے لگا۔

''بزرگ آپ کون ہیں؟ اور مجھ سے کس ایفائے عہد کی بات کررہے ہیں؟''

جب بابا عبدالرحمن شاہ نے ماضی کے ایک خاص واقعے کا ذکر کیا تو ٹیپو انہیں پہچان گیا اور ندامت کا اظہار کرنے لگا۔ بات دراصل یہ تھی کہ جب آپ سات سال پہلے وزیر اعظم نندراج کی حمایت کے باعث راجہ کرشنا کے معتوب تھے اور سرنگا پٹم سے دور ایک مفرور شخص کی زندگی گزار رہے تھے، اس وقت ٹیپو محل کے باہر بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ ایک دن بابا عبدالرحمن اس طرف آئے اور ٹیپو کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

''خدا جب تجھے بادشاہ بنادے تو اس جگہ ایک شاندار مسجد تعمیر کرنا۔''

ٹیپو کی اس وقت عمر ہی کیا تھی؟ مشکل سے چھ ساتھ برس کا ہوگا۔ اس نے بابا کی بات نہ سمجھتے ہوئے بھی ان سے مسجد کا وعدہ کرلیا۔ پھر عبدالرحمن شاہ کے جانے کے بعد ٹیپو نے والدہ سے اس واقعے کا ذکر کیا تھا اور میں مجذوب کی بات سن کر برہم ہوگئی تھی۔ میں نے انہیں ''پاگل'' کہہ کر پکارا تھا۔ کہاں ایک معتوب فوجی افسر کا بیٹا اور کہاں بادشاہت کا قصہ؟ یہ بات تو کوئی دیوانہ ہی کہہ سکتا تھا۔ مگر سات سال بعد جب اللہ نے آپ کو والئ میسور بنادیا تو عبدالرحمن شاہ کی گفتگو بڑی معنی خیز معلوم ہوئی۔ میں نے ان سے اس غائبانہ گستاخی کا ذکر کرتے ہوئے معافی مانگی تو کہنے لگے۔

''پاگل کو پاگل کہنا کوئی جرم نہیں ہے بیٹی! پھر کس بات پر ندامت ہے اور کس گناہ کی معافی مانگ رہی ہو؟''

آخر میرے بہت اصرار کے بعد عبدالرحمن شاہ نے مجھے معاف کردیا۔ پھر جب ٹیپو کو اس کا وعدہ یاد دلا کر واپس جانے لگے تو میں نے کریم شاہ کی بیماری کا ذکر کیا۔

بابا نے ایک نظر کریم شاہ کو دیکھا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھادیے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم سے کریم شاہ کا بخار اسی وقت ہی اتر گیا۔

ہمارا قصور یہ ہے کہ ہم آزادی مانگتے ہیں۔ اپنا حق مانگتے ہیں۔

کشمیر کا بیٹا

محمد ذیشان فرخ

چنار کے درختوں کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ رات اپنے اندر وادی کی ہر چیز چھپانے کی کوشش کر رہی تھی اور تھوڑی ہی دیر کے لیے سہی لیکن اس دنیا کی نظروں سے اوجھل ہو جانا چاہتی تھی تاکہ ظلم و ستم کی یہ داستان کچھ دیر کے لیے ہی رک جائے۔

سری نگر کے ایک محلے کے چھوٹے سے مکان میں ناصر میز پر سر رکھے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ ناصر پانچویں جماعت کا ایک ذہین طالب علم تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ اس کی والدہ دوسرے کمرے میں سونے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اچانک ان کو ناصر کا خیال آیا کہ اسے دیکھ لیں کہ وہ سویا ہے یا نہیں۔ ناصر کو یوں میز پر سر رکھے دیکھا تو بولیں۔

''ناصر بیٹا! اتنی رات ہو چکی ہے۔ تم ابھی تک سوئے نہیں۔ کیا سوچ رہے ہو؟''

ناصر نے اپنی والدہ کی طرف دیکھا۔

''امی! کیا آپ سو گئی تھیں؟'' ناصر کے سوال پر والدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کچھ دنوں سے ان ماں بیٹے کی زندگی ایسی ہی درد بھری بن گئی تھی۔ ناصر کے والد جمشید احمد دس دن سے

غائب تھے اور ان کی کوئی اطلاع نہیں مل رہی تھی۔ پولیس میں رپورٹ کروانا بھی بے کار تھا۔

آئے دن وادی میں لوگوں کی گمشدگی معمول بن چکی تھی اور اس کے پیچھے پولیس اور فوج کا ہی عمل دخل ہوتا تھا۔ اس ظلم وستم کے ماحول میں لوگ خوف کے سائے میں زندگی گزار رہے تھے۔

''بیٹا! نیند کہاں سے آئے گی۔ تمھارے ابو کی یاد ستاتی ہے۔ کیا کروں میں؟ بہت پریشان ہوں'' ناصر کی والدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''امی! آپ کو یاد ہے نا! دو مہینے پہلے کاشف کے ابو بھی غائب ہو گئے تھے اور پھر پندرہ دن بعد ان کی لاش فوجی ان کے گھر دے کر چلے گئے تھے اور سجاد کے ماموں کے ساتھ بھی کچھ ایسے ہی ہوا تھا'' ناصر کی بات پر والدہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''نہیں بیٹا! نہیں! ان شاء اللہ تمھارے ابو جلد گھر آ جائیں گے۔'' خوف بھرے لہجے میں والدہ نے ناصر کو گلے سے لگا لیا۔

''امی! یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ یہ پولیس اور فوجی ہمارے دشمن کیوں ہیں امی!؟ ہم نے کیا بگاڑا ہے ان لوگوں کا؟ ہمارا قصور کیا ہے؟ یہ ہم کو کیوں مارتے ہیں؟'' ناصر نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کے معصوم ذہن پر بڑا بوجھ تھا۔

''بیٹا! ہمارا قصور یہ ہے کہ ہم آزادی مانگتے ہیں۔ اپنا حق مانگتے ہیں۔ ہم ان بھارتی ہندوؤں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے۔ ہم مسلمان ہیں اور پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ بیٹا! ہمارا دین الگ ہے اور ہمارا رہنا سہنا ان لوگوں سے الگ ہے۔

چونکہ ہم ان لوگوں کے ساتھ نہیں رہنا چاہتے، اس لیے یہ لوگ ہمیں تنگ کرتے ہیں۔ مجاہدین پر تو ان کا زور چلتا نہیں تو اس کے بدلے میں یہ معصوم لوگوں کو تنگ کرتے ہیں اور ان کو مار دیتے ہیں۔''

''امی! یہ مجاہدین کون ہیں؟'' ناصر نے اپنی والدہ سے مجاہدین کے بارے میں استفسار کیا۔

''بیٹا! مجاہد اسے کہتے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے یعنی اللہ کے دشمنوں سے لڑائی کرے اور مقصد یہ ہو کہ اللہ کے دشمنوں سے مسلمانوں اور اسلام کو بچایا جا سکے۔ بیٹا! مجاہدین کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے اور کافر مجاہدین سے بہت ڈرتا ہے۔

بیٹا! کشمیر میں مجاہدین اسی لیے لڑ رہے ہیں کہ وہ اپنے وطن کو ان ہندوؤں سے آزاد کروائیں اور پاکستان کے ساتھ مل جائیں۔ ان شاء اللہ وہ وقت جلد آئے گا کہ کشمیر کے بیٹے اپنے وطن کو آزاد کروالیں گے۔'' ناصر کی والدہ نے ناصر کو مجاہدین اور کشمیر کی جنگ کے بارے میں بتایا تو ناصر نے کہا:

''امی! میں بھی تو کشمیر کا بیٹا ہوں۔ میں بھی مجاہد بنوں گا''

''ہاں! میرا بیٹا مجاہد بنے گا ان شاء اللہ لیکن اب رات بہت ہو گئی ہے بیٹا! اب سو جاؤ!۔ اللہ کرے کل تمھارے ابو کی کوئی خبر مل جائے۔ میں تو بہت پریشان ہو گئی ہوں بلکہ میں تمھارے پاس ہی لیٹ جاتی ہوں۔''

دونوں ماں بیٹے بستر پر لیٹ گئے لیکن جمشید احمد کے خیال

نے کہاں ان دونوں کو سونے دینا تھا۔

اب یہ خدشہ دل میں زور پکڑ رہا تھا کہ بھارتی فوجیوں نے ہی جمشید احمد کو غائب کیا ہے۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہے تو پھر کچھ بھی ہوسکتا تھا۔

اگلے دن ناصر اسکول گیا تو اسکول میں بھی اس کا دھیان پڑھائی میں نہیں لگ رہا تھا۔ اس کو اپنے ابو کی یاد ستا رہی تھی۔

''ابو! آپ کہاں ہیں؟'' اس کا دل بار بار اپنے والد کو پکار رہا تھا۔ وہ اسکول پیدل ہی آتا جاتا تھا۔ اسکول سے چھٹی کے بعد وہ اپنے دوست ساجد کے ساتھ گھر واپس آ رہا تھا۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ اچانک سڑک پر ایک فوجی گاڑی ان کے قریب آ کر رکی۔ وہ دونوں سہم کر کھڑے ہو گئے۔ گاڑی سے دو فوجی اترے اور ان کی طرف بڑھے۔

''اوئے! کہاں سے آ رہے ہو؟'' ایک فوجی نے انتہائی بدتمیزی سے ان سے بات کی۔

''ہم اسکول سے آ رہے ہیں۔'' ناصر نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

''اچھا جی! اسکول سے آ رہے ہو۔ کون سے اسکول سے؟'' فوجی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''ان معصوموں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا سوال ہے؟'' ''ہم اپنے اسکول سے آ رہے ہیں۔'' ساجد نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ دوسرے فوجی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ ''ہمارا مطلب ہے کہ وہ اسکول جہاں تعلیم دی جاتی ہے یا وہ اسکول جہاں مجاہدین جہاد کی تربیت دیتے ہیں۔'' وہ دونوں انتہائی خوفزدہ ہو چکے تھے۔

''سنو لڑکو! خود بھی اچھی طرح سن لو اور اپنے گھر والوں کو بھی اچھی طرح بتا دو۔ جو بھی مجاہدین سے کسی بھی قسم کا تعلق رکھے گا اس کو مار دیا جائے گا۔ سمجھے یا نہیں؟'' ایک فوجی نے غراتے ہوئے کہا۔

''جی! جی! سمجھ گئے۔'' ساجد نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

''اب جاؤ! دفع ہو جاؤ!'' دوسرے فوجی نے ان کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ ساجد اور ناصر دوڑنے لگے اور دوڑتے دوڑتے گھر پہنچے۔

ناصر کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ اس کی والدہ نے اس کو دیکھا تو ان کا دل ہول اٹھا۔

''کیا ہوا بیٹا! تمھارا سانس کیوں پھولا ہوا ہے؟'' جب ناصر نے فوجیوں کی غنڈہ گردی کی داستان سنائی تو ناصر کی والدہ کو انتہائی غصہ آیا۔

''اب یہ کمینے معصوم بچوں کو مجاہدین سے دور رہنے کا پیغام دے رہے ہیں۔ اے بزدل فوجیو! ان معصوم بچوں کو دھمکانا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ تم مجاہدین سے کس قدر ڈرتے ہو۔ اللہ تم سب کو غارت کرے۔'' والدہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

''یا اللہ! ان ظالموں سے ہماری جان چھڑا۔ ہم بہت گناہ گار ہیں۔ ہم پر اپنا کرم فرما!'' والدہ کی باتیں سن کر ناصر کے دل میں مجاہدین کی عظمت جاگ اٹھی اور وہ خود کو مجاہد کے روپ میں دیکھنے لگا۔ وہ بڑی سی بندوق اٹھائے دو بھارتی فوجیوں کا تعاقب کر رہا تھا اور بزدل

بھارتی فوجی بدحواسی کے عالم میں اپنی جان بچانے کی کوشش میں بھاگ رہے تھے۔ ناصر نے ایک فوجی کا نشانہ لیا اور بندوق کا ٹریگر دبایا۔ اس کو تب ہوش آیا جب والدہ نے اس کو مخاطب کیا۔

''بیٹا! کیا سوچ رہے ہو؟''

''کچھ نہیں امی! میں سوچ رہا تھا کہ یہ فوجی کتنے ڈرپوک ہیں جو ہم بچوں کو بھی ڈراتے ہیں۔ ان کے لیے تو ہم بچے ہی کافی ہیں۔'' ناصر نے اپنے جذبے کا اظہار کیا جس پر اس کی والدہ نے اسے گلے سے لگا لیا۔

''بیٹا! کافر ہمیشہ ڈرپوک ہوتا ہے اور مسلمان ہمیشہ بہادر ہوتا ہے۔ اسی لیے کافر ایک مسلمان بچے سے بھی ڈرتا ہے۔ بیٹا! یہ خوف اللہ کافر کے دل میں پیدا کرتا ہے۔'' والدہ کی بات پر ناصر کا دل مزید مضبوط ہو گیا۔

شام کو ناصر اور اس کی والدہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے۔ جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ جمشید احمد کی لاش فوجی ان کے گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ان کا کیا قصور تھا؟ کیا ان کا قصور یہی تھا کہ وہ مسلمان تھے اور اپنے وطن کی آزادی چاہتے تھے جیسے تمام کشمیری چاہتے ہیں۔ اسی جرم کی پاداش میں ان کو اغواء کر کے بزدلی سے شہید کر دیا گیا تھا لیکن ان بزدلوں کو کیا معلوم کہ شہادت کے ساتھ مجاہد بھی پیدا ہوتے ہیں جو ان کو جہنم رسید کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

ناصر اپنی والدہ کے گلے لگ کر رو تو رہا تھا لیکن اس نے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مجاہد بنے گا۔ وہ کشمیر کا بیٹا اور اسلام کا بیٹا بنے گا اور اس دھرتی کو ان ظالم کافروں سے نجات دلائے گا خواہ اس میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

❁❁❁❁

جھوٹ کا پہاڑا

حضرت مفتی گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دارالافتاء میں حضرت قاری محمد طیب صاحب تشریف لائے۔

ان کو جھوٹ کا پہاڑا سنایا، بہت پسند کیا اور لکھ کر گھر لے گئے کہ وہاں سناؤں گا۔

وہ یہ ہے:

جھوٹ اکم جھوٹ
جھوٹ دونی مبالغہ
جھوٹ تیا بہانہ
جھوٹ چوک دھوکا
جھوٹ پنجے سفید جھوٹ
جھوٹ چھک تہمت
جھوٹ ستے بہتان
جھوٹ اٹھے غدر
جھوٹ نمے نفاق
جھوٹ دھائے کفر

ہمشیرہ محمد جہادی

مثالی عید

امن ارشد

احمد ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور معاشی کمزوری کی وجہ سے اس بار تو گھر میں فاقوں تک نوبت آ پہنچی تھی لیکن وہ احمد کو اپنی غریبی محسوس نہیں کروانا چاہتے تھے۔ اگلے روز عابد کی احمد سے ملاقات ہوئی تو اس نے عابد کو بتا دیا کہ مجھے لگتا ہے کہ میں اس بار عید پر نئے کپڑے نہیں پہن سکوں گا۔ عابد نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی جبکہ وہ بھی ایک دیندار اور امیر گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔

''امی! کیا ہم اس مرتبہ عید پر نئے کپڑے نہیں لیں گے؟ عابد نے بھی عید کے لیے نئے کپڑے خرید لیے ہیں اور وہ جو بلال ہے، اس نے بھی نئے کپڑے خرید لیے ہیں'' احمد نے اپنی امی جان سے معصومیت بھرے انداز میں استفسار کیا۔

''جی بیٹا! میں آپ کے ابو کو کہتی ہوں۔ پھر ہم سب بازار کپڑے خریدنے جائیں گے۔'' احمد کی امی کا انداز تسلی بخش تھا۔

رات کو عابد اکیڈمی سے واپس گھر آیا تو اس کی امی نے گھنٹی بجنے پر جھٹ سے دروازہ کھولا۔

علیک سلیک کے بعد احمد نے رات کا کھانا وغیرہ کھایا اور اپنے کمرے میں چلا گیا لیکن احمد کی بات اس کے دل میں کھٹک رہی تھی۔

عابد کی امی نے اس کے چہرے پر آویزاں آثار پڑھ لیے تھے۔ وہ روزانہ کہانی سنانے کے لیے عابد کے کمرے میں جایا کرتی تھیں۔ آج جب وہ کمرے میں آئیں تو عابد اچانک سہم سا گیا۔

''عابد بیٹا! کیا ہوا ہے؟ آج کس بات کو لے کر

پریشان ہو؟'' امی نے فوراً سے بھی پہلے سوال کر دیا۔

''جی امی! وہ احمد کی بات کو لے کر پریشان ہوں۔ اس عید پر وہ نئے کپڑے نہیں پہن سکتا کیونکہ ان کے مالی حالات کشیدگی کا شکار ہیں۔'' عابد اور اس کی امی میں کافی حد تک ہم آہنگی تھی اسی وجہ سے اس نے بے دھڑک سب کچھ بتا دیا۔

''اوہ اچھا! تو یہ بات ہے۔''

''کیا تمہیں ایک واقعہ سناؤں؟'' امی نے کہا۔

''جی جی امی! ضرور سنائیں۔'' احمد نے اپنی بے چینی دیکھاتے ہوئے جواب دیا۔

اس کی امی گویا ہوئیں۔

''ہماری تاریخ میں ایک ایسا حکمران تھا، جس کی بادشاہت تین براعظم تک پھیلی ہوئی تھی۔ اتنی بڑی سلطنت میں کوئی زکوٰۃ لینے والا باقی نہیں تھا۔ پتا ہے کیوں؟'' امی نے توجہ مرکوز کروانے کے لیے سوال داغ دیا۔ ''نہیں امی! مجھے نہیں پتا۔ آپ بتا دیں ناں۔''

امی دوبارہ گویا ہوئیں۔

''وہ اس لیے کہ وہ ایک عادل بادشاہ تھا۔ ان کا ایک بیٹا تھا۔ جب عید قریب آئی تو اس نے بھی عید کے جوڑوں کی فرمائش کر ڈالی۔

اب باپ حکمران ہونے کے باوجود یہ فرمائش پوری کرنے سے عاجز آ گیا۔'' امی خاموش ہو گئی۔

''امی! وہ کیوں؟ ان کے پاس تو سب کچھ تھا ناں؟'' عابد کے چہرے پر معصومیت چھلک رہی تھی۔

''بیٹا! ان کے پاس سلطنت تھی لیکن انہوں نے اس کا ناجائز استعمال نہیں کیا۔'' امی نے دل کو چھو لینے والا جواب دیا۔

اس بچے کی ماں نے اپنے شوہر سے کہا کہ میں بھی کچھ پیسے جمع کرتی ہوں اور تم بھی بیت المال سے ادھار لے لو۔ اس طرح ہم عید پر بچوں کو کپڑے لے دیں گے اور پتا ہے جب وہ پیسوں کا مطالبہ کرنے گئے تو ان سے کہا گیا کہ:

''جتنی مدت تک آپ رقم لینا چاہتے ہیں۔ اس مدت تک اپنی سانسوں کی ضمانت دے دیں۔'' اب وہ یاسیت بھرے لہجے میں ڈوبے ہوئے گھر واپس آ گئے۔

اگلے دن عید تھی اور بیٹیوں نے صبح ناشتہ کیا اور چہرے پر کپڑا رکھ لیا۔ جب ان کے ابو جان عید کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو چہرے پر کپڑا رکھنے کی وجہ دریافت فرمائی۔ ان کی بیٹیوں نے کہا کہ ''ابا جان! وہ آج ہم نے ناشتے میں پیاز کھایا ہے اور آپ کو پیاز ناپسند ہے تو ہم نے اس وجہ سے کپڑا رکھ لیا۔''

یہ بات کرتے کرتے امی کی آواز رندھ گئی اور آنسوں ٹپ ٹپ بہنے لگے۔

''تو بیٹا! ہمیں اپنی تاریخ پر فخر ہونا چاہیے کہ ہماری تاریخ میں اس طرح کی مثالی عید گزارنے والے لوگ بھی تھے اور ہمیں اپنے مسلمان بھائی کے درد کو محسوس کرنا چاہیے اور پھر حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا شروع کی:

''سب مسلمان آپس میں ایک جسم کی طرح ہیں۔ کسی بھی مسلمان کی تکلیف کو دوسرا مسلمان اپنی تکلیف سمجھے اور اس تکلیف کو زائل کرنے کے لیے جو کر

سکے وہ کر گزرے۔''

اس کے بعد اس کی امی نے آنسوؤں کو پونچھ کر عابد کو سلا دیا۔اگلے روز جب عابد اسکول گیا تو احمد درخت کے سائے تلے تنِ تنہا بیٹھا ہوا تھا۔

عابد چپکے سے گیا اور اپنا ایک عید والا سوٹ احمد کے بیگ میں ڈال دیا۔

اگلے روز جب عابد ڈگ بھرتا ہوا گلی عبور کر رہا تھا کہ احمد سے ملاقات ہوئی۔وہ تو خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہا تھا۔

عابد گھر پہنچا تو بہت خوش تھا۔اس کی امی نے عابد کے چہرے پر خوشی کے آثار پڑھ لیے تھے لیکن امی کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی عابد نے سب کچھ حرف آخر تک امی کو بتا دیا۔

اس کی امی کو بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر عمل کیا۔تو آج ہمیں اپنے اردگرد ایک نظر دوڑانے کی ضرورت ہے۔احمد کی طرح کے کئی بچے ہمارے منتظر ہیں۔

❁❁❁❁

چوہوں سے سبق لیں

آپ نے کبھی چوہوں کو دیکھا، چوہوں کا پنجرہ کھول دیں یہ پوری طاقت کے ساتھ سرپٹ دوڑیں گے لیکن دوڑتے ہوئے انھیں یہ پتا نہیں ہوتا۔

''ہم نے جانا کہاں ہے؟''

چوہے ہمیشہ منزل کا تعین کیے بغیر دوڑتے ہیں۔

دوسرا

اگر کوئی چوہا خوراک کے لالچ میں کسی پنجرے میں گر جائے یا ٹکٹکی میں پھنس جائے تو دوسرے چوہے اس کا حشر دیکھنے کے باوجود باز نہیں آتے۔

وہ بھی اس کے باوجود ٹکٹکی میں پھنستے اور پنجرے میں گرتے چلے جاتے ہیں اور آخر میں سارے مارے جاتے ہیں۔

کیا ہماری حرکات چوہوں جیسی نہیں ہیں؟؟؟

ہم بھی منزل کا تعین کیے بغیر سرپٹ بھاگتے چلے جاتے ہیں۔

ہم بھی دوسروں کے گرنے اور پھنسنے سے سبق نہیں سیکھتے اور ہم بھی گڑھوں میں گرتے اور مرتے چلے جاتے ہیں۔

دنیٰ زبیر

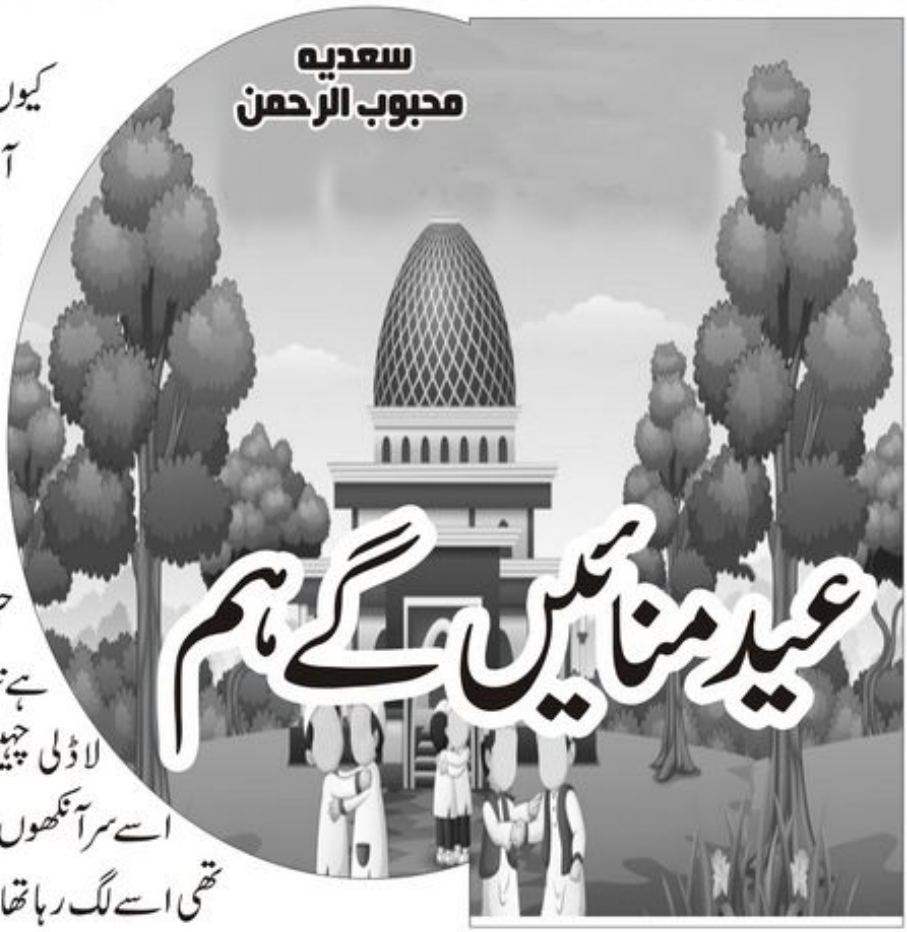

کیوں ہر کوئی اس کے گن گاتا ہے کیوں آخر کیوں؟

لائبہ جب کمرے کی ساری چیزیں ادھر ادھر بکھیر کر تھک گئی تو سر گھٹنوں پہ رکھ کر پھوٹ پھوٹ کے رودی۔

اسے شدید دکھ ہے اس بات کا کہ وہ حرا نامی لڑکی جب سے اسکے گھر آئی ہے تب سے اسکی ویلیو کم ہوگئی ہے گھر کی لاڈلی چہیتی بیٹی بول بول کے سب نے جو اسے سر آنکھوں پر بٹھایا سب کے نورِ نظر جو وہ ٹھہری تھی اسے لگ رہا تھا حرا کے آنے سے گھر کے ہر فرد نے

وہ کون تھی اسے خود نہیں پتا تھا۔ جب پوچھتی تو سب یہی کہتے کہ تمہاری چھوٹی بہن ہے۔

مجھے کچھ بھی نہیں سننا اور کان پک گئے ہیں میرے آپ سب کے فرمان سن سن کے۔ لائبہ نے بدتمیزی کی انتہا کردی جواباً اماں جان تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی تھی واپس چلی گئی۔ ادھر لائبہ کا غصہ سوا نیزے پر تھا اس نے بیڈ سے چادر اتار کر زمین پر پھینکی، صوفہ سے کشن لے کر ادھر ادھر پٹخا، گلدان دیوار پر دے مارا آج اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہ جانے کیا کچھ کر ڈالے۔

اس کا دل کر رہا تھا کہ ہر شے کو آگ لگا دے آخر حرا نامی یہ لڑکی کیوں صرف اس کے گھر میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز ہر کسی کے دل میں قبضہ جما بھیٹی ہیں کیوں گھر کے ہر اک فرد نے اسے سر آنکھوں پہ بٹھا رکھا ہے۔

اسے سر آنکھوں سے اتار کے زمین پر بٹھا دیا ہے جتنی محبت کی حقدار وہ پہلے تھی اب نہیں رہی جس کو دیکھو ہر کوئی یہ کہتا نظر آتا ہے دیکھو لائبہ یہ تمہاری چھوٹی بہن ہے اس سے محبت سے پیش آنا اپنی ہر چیز اس سے شیئر کرنا آپس میں مل بانٹ کے پیار محبت سے رہنا اور جواباً وہ ہونہہ کہہ کر پیر پٹخ کر چلی جاتی۔

وہ کون تھی اسے خود نہیں پتا جب پوچھتی سب یہی کہتے تمہاری چھوٹی بہن ہے اور وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر کہ میری بہن کیسی ہوسکتی ہے کیوں کہ اس نے دادو نانو اماں بابا سب سے سن رکھا تھا کے وہ گھر کی لاڈلی اکلوتی بیٹی ہے۔ اب یہ بہن کہاں سے آگئی؟ اس کے ساتھ بچپن

گزر احتی کہ دونوں نے جوانی کے دہلیز پر قدم رکھ لی پھر بھی لائبہ اسے اپنی بہن نہیں تسلیم کر سکی بس اسے اس سے دشمنی حسدسی ہوگئ۔ اس کے ذہن میں بچپن سے بس یہی بات بیٹھ گئ تھی کہ وہ اپنے بابا کی اکلوتی بیٹی ہے اور یہ اسکا حق دبانے آئی ہے کیوں کہ جب سے وہ آئی تب سے بابا اماں نے دونوں میں کسی قسم کی کوئی فرق نہیں اور یہ شراکت اسے ہرگز پسند نہیں بس تب سے اسکے دل میں نفرت حسدسی پیدا ہوگی۔

حرا اسے ''آپی آپی'' کہتی نہیں تھکتی اور یہ اس سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ وہ اسے موقع در موقع تکلیف دینے کی درپے ہوتی اور پھر دھمکی بھی دیتی اگر گھر میں کسی کو بتایا تو بہت برا ہوگا میں تمہیں اسکول کے پیچھے جو قبرستان ہے وہاں چھوڑ دونگی اور وہ بچاری ڈر کے مارے کسی کو نہ بتاتی۔ اسے زچ کر کے اسکو سکون ملتا بس جب بھی موقع ملے تھپڑ سے اسکی نوازش ضرور کرتی جیسے اسکا پسندیدہ مشغلہ ہو یہ۔

بس اور کب تک جاری رکھتی اپنے اس کھیل کو۔ آخر بابا جان نے دیکھ لیا انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا کہ انکی لاڈلی یہ بھی کر سکتی ہے۔ وہ رمضان کا مہینہ اور اس دن انتسیواں روزہ تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ گھر میں اماں جی تلاوت قرآن میں مصروف تھیں۔ دادو آرام فرما رہے تھے۔ بابا جان کسی کتاب کے مطالعہ میں غرق تھے۔

ایسے میں کسی کی رونے چلانے کی آواز سنائی دی تو سب ہڑ بڑا کے کمرے سے نکلے اور آواز کی جانب دوڑے۔ آواز گھر کی پچھلے جانب باغیچے سے آرہی تھی انہیں یہ سمجھنے میں بالکل بھی دیر نہیں لگی کہ کس کی آواز ہے وہاں جا کر دیکھا تو سب کی آنکھیں پتھی رہ گئیں۔

وہاں حرا ایک درخت کے ساتھ بندھی ہوئی تھی منہ سے خون نکل رہا تھا اور لائبہ ہاتھ میں ایک موٹا ڈنڈا لیے اس پر پے در پے ضرب لگا رہی تھی اور ساتھ میں یہ بولتی جا رہی تھی۔ ''بتاؤ! کیوں آئی ہو تم میرے گھر پہ میرا حق جمانے؟ کیوں میرا سکون برباد کر رکھا ہے تم نے؟ کیوں ہر وقت میرے آگے پیچھے گھومتی رہتی ہو؟ کیوں میرے ہر چیز پر قبضہ کر لیتی ہو تم؟ اپنے ماں باپ کے ساتھ تم بھی مر کیوں نہیں گئ؟''

اس پر جنون سا سوار ہو گیا یہ دیکھ کر تو سب کے اوسان خطا ہو گئے۔ بابا جان نے آگے بڑھ کر لائبہ کو پوری قوت سے تھپڑ دے مارا جس سے وہ لڑکھڑا کے دور جا گری۔ اماں نے حرا کو رسی سے آزاد کیا اور سینے سے لگایا وہ ادھ موئی سی انکے گلے میں جھول گئ۔

''اسے کمرے میں لے جاؤ!'' دادا جان دھاڑے اور بابا جان لائبہ کی طرف بڑھے۔

''تمہاری طرح نافرمان بے حس ظالم اولاد اللہ کسی کو نہ دے مجھے شرم آرہی ہے اور بے انتہا دکھ کے تم میری بیٹی ہو۔ جاؤ! یہاں سے دوبارہ میرے سامنے مت آنا!'' وہ گرجے۔

چند لمحوں کے لیے لائبہ بھی کانپ گئ۔ اتنے غضبناک تھے آج، ان کا یہ روپ آج دیکھا تھا اس نے۔ وہ بے یقین تھی اب تک کہ اس کے بابا نے ہاتھ اٹھایا ہے اس پہ!!

''بابا! حرا نے میرے س۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وو و۔

۔۔۔۔۔ٹ۔۔۔۔۔۔۔'' اس نے آنسو کے درمیان اتنا کہا۔

''بسسسس!!!!'' آگے ایک لفظ نہ سنوں میں۔جاؤ یہاں سے۔

پھر کمرے میں آکر توڑ پھوڑ شروع کردی۔اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی اپنے کیے پر۔اماں جی کے سمجھانے پر الٹا آگ بگولہ اور بدتمیزی کا مظاہرہ کرنے لگی جس پر اماں جی تاسف سے واپس چلی گئ کہ سمجھانا بیکار ہے۔

❁❁❁❁❁

''کون ہو تم؟'' اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔

''ہاہاہاہاہاہاہا'' جواباً فلک شگاف قہقہے بلند ہوئے۔

''ہٹو!میرے راستے سے مجھے جانے دو!''

''ہاہاہاہاہاہاہا'' ایک بار پھر قہقہے بلند ہوئے سب کے۔وہ ایک دو نہیں بلکہ پورے گروہ تھیں جو اس کا راستہ روکے آس پاس منڈلا رہے تھیں۔

''کیا مسئلہ ہے مجھے جانے دو! میرا راستہ کیوں روک رکھا ہے؟ چلو!ہٹو سامنے سے!''

''ہاہاہاہاہاہا'' ایک بار پھر سب کے قہقہے گونجے۔ اب لائبہ کی برداشت جواب دے گئ اس نے پوری قوت سے ایک کو تھپڑ دے مارا۔مگر یہ کیا جتنی زور سے اسکی تھپڑ کی آواز گونجی اس سے کہیں زیادہ تیز لائبہ کی چیخ بلند ہوئی ور ساتھ میں پھر سب کے قہقہے بھی اسکی ہاتھوں سے خون رسنے لگا جو کہ بہت بری طریقے سے زخمی ہو چکی تھی۔

اسے سمجھ نہیں آرہا تھا آخر یہ عجیب وغریب قسم کی خلقت کون ہیں جنکے چہرے پر گویا کانٹے لگے ہوئے ہیں جسکی وجہ سے اسکا ہاتھ زخمی ہو چکا ہے اور کیوں یہ لوگ اسکا راستہ روک رکھا ہے۔کیوں اسے جانے نہیں دے رہے۔وہ اپنے ہاتھ پکڑے وہیں بیٹھ گئ۔درد کی شدت سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔اس نے بابا نانو دادو اماں سب کو پکار کے دیکھا کوئی نہیں آیا۔پھر اچانک سے اس کے ذہن کے پردے میں کسی کا نام کسی کا سایہ ابھرا اور پھر وہ دیوانہ وار پکارنے لگی۔

''حرا! حرا! حراااااا!! پلیز! مجھے بچالو!''

اور لمحوں کے ہزارویں حصے میں وہ پہنچ بھی گئ۔

''کیا ہوا آپی! بتاؤ تو کیا ہوا ہے آپی آپکو؟ اور آپکا ہاتھ کیوں زخمی ہے؟ پلیز کچھ تو بتاؤ!''

وہ جواباً خاموشی سے اس گروہ کی طرف اشارہ کر کہ کہنے لگی۔''وہ۔۔وہ لوگ جانے نہیں دے رہے مجھے۔ پلیز! مجھے بچالو ان سے!'' اس نے سختی سے حرا کا ہاتھ پکڑ لیا۔حرا نے مڑ کر وہاں دیکھا جہاں خوفناک عجیب وغریب لوگوں کا ایک گروہ تھا۔

''کیوں نہیں جانے دے رہے۔چلیں آپی!'' دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بھاگتے جارہی تھیں ساتھ میں وہ گروہ والے بھی ان دونوں کا پیچھا کرنے لگیں۔

وہ دونوں بس بھاگتی جارہی تھی اور لائبہ ''ہمیں بچاؤ! بچاؤ!'' کہتی جارہی تھی کہ اچانک سے کسی گاڑی سے ٹکر لگی اور حلق پھاڑ چیخ ہوا میں بلند ہوئی۔ساتھ میں اس کی آنکھ بھی کھل گئ۔اس نے ادھر ادھر دیکھا اماں دادو نانو حرا اسکے پاس تھیں۔حرا اسکے سرہانے بیٹھی ہاتھ ملنے لگی۔

''میں۔۔میں کہاں ہوں؟''

''آپ گھر میں ہیں آپی!'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ ''آپ ٹھیک ہے ناں آپی؟ کیا ہوا ہے آپکو آپ اتنا چیخ کیوں رہی تھی؟ اور آپ حرا حرا بول رہی تھی''

''میں۔۔ میں گھر میں ہوں کیا؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''ہاں بیٹا! آپ گھر ہی میں ہیں۔ شاید کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے آپ نے'' اب کے نانو بولے۔

وہ خاموشی سے چھت کو تکنے لگی۔ اس کا ذہن آہستہ آہستہ بیدار ہونے لگا۔

اسے یاد آیا کہ آج کیا ہوا ہے اس نے تو حرا کو باندھ دیا تھا اور مارا بھی تھا پھر کس نے کھولا اسکو اور یہاں کیسے؟

پھر سب اچھے سے یاد آیا کہ حرا کی چیخ سے سب گھر والے وہاں آ گئے تھے۔ بابا جان بے حد ناراض ہو گئے تھے اس سے اور اماں جان نے بھی بہت ڈانٹا اسے پھر وہ روتے روتے سو گئی تھی اور یہ ڈراؤنا خواب دیکھا اس نے۔ اسے وہ خوفناک شکل والے گروہ کی قہقہے سنائی دیے اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لی۔ اسکا جسم پسینے سے شرابور ہو لے ہو لے کانپنے لگی۔

''آنکھیں کھولو بیٹا!'' اماں نے سر سہلایا۔ آخر ماں تھی ناں کیسے ناراض رہتی، اپنی بیٹی کی یہ حالت کیسے دیکھ سکتی تھی۔

''اماں! مجھے معاف کر دیں میں نے آپکی بہت نافرمانی کی آج آپکی یہ بیٹی مرتے مرتے بچی ہے''

''نہ بیٹا ایسے نہیں بولتے'' اماں نے دل پہ ہاتھ رکھ کر کہا پھر حرا کے گلے لگ کر زاروقطار رو دی۔

''مجھے معاف کر دو پلیز!۔ میں نے تمہیں بہت ستایا۔ لمحہ بہ لمحہ تمہیں تکلیف دیتی رہی۔ پلیز معاف کر دو مجھے'' اس نے ہاتھ جوڑے۔

''نہیں آپی! آپ نے کچھ نہیں کیا غلطی تو مجھ سے ہی ہوتی رہتی ہے اگر مجھ سے غلطی نہ ہوتی تو آپ مارتے بھی نہیں مجھے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے''

''نہیں میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ برا سلوک روا رکھا مجھے پتا ہے کہ تم میری بہن نہیں ہو لیکن یہ نہیں پتا کہ کون ہو؟ میں نے اماں بابا کی بات سن لی تھی کہ تم میری بہن نہیں ہو لیکن یہ نہیں پتا تھا کہ کون ہو میں نے کئی بار اماں سے پوچھا پر وہ ہر بار ڈانٹ کے بات بدل لیتی۔ اور تمہارے آنے کے بعد سب کے توجہ کی مرکز تم بن گئی بس مجھے تب سے تم سے نفرت ہو گئی تبھی میں تم سے خار کھاتی رہتی تھی۔

بابا نے ہمارے درمیان کبھی کسی قسم کی کوئی فرق نہیں کی جو چیز میرے لیے لاتے وہی تمہارے لیے بھی لاتے بس مجھے یہیں سے تم پہ غصہ آتا تھا کہ بابا میری طرح تمہارے لیے کیوں لاتے ہیں جبکہ تم ان کی بیٹی بھی نہیں ہو'' ''آپی! آپ کو کس نے کہا کہ میں بابا کی بیٹی نہیں ہوں؟'' ''کیا اماں یہ سچ ہے؟'' اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ ''ہاں بیٹا! یہ سچ ہے'' دادو کی آواز کہیں دور کھائی سے آئی۔

''کیا دادو پھر میرے ماں باپ کون ہے؟ وہ کہاں ہے اور میں یہاں کیسے آئی؟

''بیٹا! تم تین سال کی تھی جب تمہارے امی ابو کا ایکسیڈنٹ ہوا اور ان کا موقع ہی پر انتقال ہو گیا تھا۔ تم

زخمی تھی ہم تمہیں یہاں لے آئے تب لائبہ سات سال کی تھی ہم نے اسے یہی کہا کہ تمہاری بہن ہے پھر پتا نہیں اس نے کیسے سن لی کہ تم اسکی بہن نہیں ہو تب سے یہ تم سے جھگڑتی رہتی ہے اسے تم سے بلاوجہ کی حسد ہو گیا۔

حالانکہ ہم نے اپنی پوری کوشش کی تھی کہ یہ بات تمہیں یا اسکو کبھی پتا نہ چلے۔ بیٹا میرے صرف دو ہی بیٹے ہیں ایک لائبہ کے بابا اور ایک تمہارے بابا مجھے اپنے دونوں بیٹوں سے بے انتہا محبت تھی لیکن چونکہ تمہارے بابا چھوٹے تھے اس لیے میں زرا اس کے زیادہ ناز اٹھایا کرتا تھا۔تمہارے بابا کا انتقال میرے لیے بہت بڑا صدمہ تھا جسے میں نے بہت مشکل سے برداشت کیا میرے پاس اپنے بیٹے کی تمہاری صورت میں بس تم ہی نشانی تھی۔

اس لیے میں نے ہی انکو منع کیا کہ تمہارے امی ابو کے بارے میں تمہیں کبھی پتا نہ چلنے دیا جائے۔

بیٹا! معاف کر دینا مجھے بھی میں اپنے بیٹے کی امانت کی حفاظت نہیں کر سکا تمہیں اب تک لائبہ کے ذریعے جتنی تکلیفیں ملیں ان سب کے لیے معاف کر دینا بیٹا!''

''نہیں دادا جان! آپ معافی مانگ کر شرمندہ نہ کریں مجھے'' حرا تڑپ گئی۔ مجھے اس گھر کے کسی بھی فرد سے کوئی شکایت نہیں۔

''معافی تو مجھے مانگنا چاہیے دادا جی!'' لائبہ آگے بڑھی۔

''دادا جان! مجھے معاف کر دیں میں اپنے تمام نادانیوں اور غلطی کی معافی چاہتی ہوں۔آج سے یہ میری بالکل سگی بہن ہے۔ میں آج سے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤنگی۔آج سے میرے ہر چیز پر تمہارا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا میرا ہے۔

مجھے معاف کر دو پلیز زززز!'' پھر دونوں گلے لگ کر خوب روئیں۔ دلوں کی کدورتیں صاف ہو گئیں آنسوؤں کے ساتھ ہی۔

اتنے میں باہر سے چاند نکلنے کا شور اٹھا اور سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔

لائبہ خوشی سے سرشار گنگنانے لگی۔

اب کہ عید منائیں گے ہم ویرانوں میں
کیسے کھلیں گے پھول اب گلستانوں میں
جن کے دم سے رہتی تھی بہار خزاں میں بھی
مہکتے تھے پھول انہی سے چمنستانوں میں
سینچتے تھے ہر گل وڈالی کو خونِ جگر سے
تھک کے سو گئے وہ مالی قبرستانوں میں
اب کہ عید منائیں گے ہم ویرانوں میں
گلِ الفت نہیں کھلتے نفرت کے بیج بو کر کبھی
آبِ الفت سے کھل جاتے پھول نخلستانوں میں
اب کہ عید منائیں گے ہم ویرانوں میں
حق لینا ہی نہیں حق دینا بھی سیکھ لیا
نام لکھوائیں گے ہم بھی باغبانوں میں
ہاں !کیوں عید منائیں ہم ویرانوں میں
اب کہ عید منائیں گے ہم محبت کے ایوانوں میں

❁❁❁❁❁

یا اللہ توفیق دے

فاکہہ قمر

''جی ناظرین! ابھی ابھی ہمارے نمائندے کامران کاشف نے اطلاع دی ہے کہ شیدانی شریف میں رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا ہے۔ ان شاء اللہ کل رمضان کا پہلا روزہ ہوگا۔

ناظرین! آپ کو آگاہ کرتے چلیں کہ سب سے پہلے یہ خبر ہمارے چینل سے نشر ہوئی ہے''

نیوز کاسٹر تیز تیز گلا پھاڑے کسی روبوٹ کی مانند رٹے رٹائے جملے بولی چلی جا رہی تھی۔

ٹی وی لاؤنج میں سب دم سادھے ٹی وی کے اردگرد جمع تھے۔

''مبارک ہو بہت بہت، رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے'' سب سے پہلے دادا جان نے تمام اہل خانہ کو مبارکباد دی۔

''خیر مبارک! ابو جی!''

''خیر مبارک''

''آپ کو بھی بہت بہت مبارک ہو۔''

سب نے تشکر آمیز انداز میں مختلف کلمات کی صورت میں جواب دیے۔

''یا اللہ! تیرا شکر ہے تو نے اس سال بھی ہمیں یہ مبارک مہینہ نصیب فرمایا ہے۔''

دادی جان نے تشکر آمیز انداز میں شکریہ کلمات

کہے۔سب بڑے آپس میں گفت و شنید میں مشغول تھے۔ جبکہ ننھی عیشا پاس بیٹھی سب کا بغور مشاہدہ کرنے میں مگن تھی۔

''میں بھی کل روزہ رکھوں گی۔''

سب کی دیکھا دیکھی پانچ سالہ عیشا نے بھی روزہ رکھنے کا عزم کرلیا تھا۔

''جی، جی بیٹا! آپ بھی روزہ رکھنا۔''

ابو نے عیشا کا دل رکھنے کے واسطے حامی بھر لی۔

''چلو بیٹا! اب سوجاؤ، دس بج گئے ہیں۔کل روزہ رکھنا ہے تو صبح جلدی اٹھنا پڑے گا۔''

امی نے عیشا کو روزے کا جھانسہ دے کر جلدی سونے کی تلقین کی۔

❁❁❁❁

''اللہ اکبر!

اللہ اکبر!''

فجر کی اذان پر عیشا کی اچانک آنکھ کھلی تو وہ جلدی سے بستر سے اتری اور باہر بھاگی۔ باہر کا منظر دیکھ کر عیشا کا پھول جیسا کھلتا چہرہ ایک دم سے مرجھا گیا۔ امی دسترخوان سمیٹ رہی تھی۔ سب سحری کر کے فارغ ہو گئے تھے۔

''ارے میری گڑیا رانی بھی اٹھ گئی؟''

بابا نے عیشا کو گم صم کھڑے دیکھا تو پیار سے اپنے پاس بلایا۔

عیشا منہ لٹکائے بابا کے پاس تو چلی گئی لیکن اس کے تاثرات یکساں تھے۔ اس کے اترے چہرے اور خاموشی کو سب نے واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا؟ میری گڑیا کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟'' بابا نے پیار سے عیشا کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے کہا بھی تھا کہ مجھے بھی روزہ رکھنا ہے، پھر مجھے کسی نے کیوں نہیں اٹھایا؟''

عیشا کی زبان پر شکوہ آ ہی گیا تھا۔

''بیٹا! آپ تو ابھی چھوٹی ہو ناں؟'' امی نے پیار سے عیشا کو سمجھانا چاہا۔

''میں نے اللہ میاں کو بھی کہا تھا کہ مجھے روزہ رکھنا ہے، انہوں نے بھی میری آنکھ نہیں کھولی۔'' عیشا نے اداسی سے بدگمان ہوتے ہوئے اللہ میاں سے شکوہ کرتے ہوئے کہا۔

''بیٹا! کیا آپ نے دعا مانگی تھی کہ اللہ میاں آپ کو روزہ رکھوائے؟'' دادا جان نے عیشا سے پوچھا۔

''دعا؟ نہیں، میں نے تو کوئی دعا نہیں مانگی تھی۔''

عیشا نے اچھنبے سے سر کو نفی میں دائیں سے بائیں ہلاتے ہوئے دادا جان کی بات کا جواب دیا۔

''میری گڑیا! کیا آپ کو معلوم ہے کہ صرف نیت کرنے سے روزہ نہیں رکھا جاسکتا ہے۔ہمیں نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرنی پڑتی ہے کہ:

''اے خالق و مالک! ہمیں توفیق دے تاکہ ہم روزہ رکھ سکیں!'' دادا جان نے عیشا کو سبق آموز گر بتایا۔

''یعنی کہ ہمیں صرف نیت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی مانگنی چاہیے تاکہ وہ ہمیں روزہ

رکھوائیں؟'' عیشا نے بات کو سمجھتے ہوئے دادا جان سے تائید چاہی۔

''جی جی میری بیٹی! بالکل ایسے ہی ہے کیونکہ اللہ کی مرضی کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہل سکتا تو پھر ہم روزہ کیسے رکھ سکتے ہیں؟ جب تک اللہ کو منظور نہیں ہوتا وہ کام نہیں ہوتا'' دادا جان نے عیشا کو سمجھایا۔

''میں سمجھ گئی۔ آئندہ میں پہلے دعا کروں گی پھر اپنی پوری کوشش کروں گی۔'' عیشا نے عزم کرتے ہوئے کہا۔

''ان شاء اللہ! مجھے اپنی بچی پر ناز ہے۔''

دادا جان نے محبت سے عیشا کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔

یوں دادا جان کی بدولت عیشا کو نئی امید مل گئی تھی، ساتھ ہی ساتھ بدگمانی کی جگہ نیت، دعا اور کوشش کرنے کا سبق بھی مل گیا تھا۔

پیارے بچو! آج سے آپ نے بھی نہ صرف نیت اور کوشش کرنی ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ دعا بھی کرنی ہے تاکہ اللہ آپ کے کام کو آسان بنا دے اور آپ کے کام میں رب تعالیٰ کی منشا بھی شامل ہو جائے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک بنائے اور نیکی کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

❁ ❁ ❁ ❁

استاذ

ایک وکیل صاحب نے ایک معلم (استاذ) کو اپنا کنواں فروخت کیا۔

دو دن کے بعد وکیل صاحب معلم کے پاس آئے اور کہا:

''معلم صاحب! میں نے آپ کو کنواں بیچا ہے اس کا پانی نہیں۔

لہٰذا اگر آپ پانی لیں گے تو اس کے لئے الگ سے پیسے دینے ہونگے۔''

معلم صاحب نے کہا:

''جی ہاں! میں بھی آپ کے پاس آنے والا تھا۔

کہنا یہ تھا کہ آپ اپنا پانی میرے کنویں سے نکال لیں

نہیں تو کل سے آپ کو کرایہ بھرنا ہوگا۔''

وکیل صاحب نے کہا:

''اجی! میں تو مذاق کر رہا تھا۔''

معلم صاحب نے کہا:

''وکیل صاحب! آپ کے جیسے ہمارے پاس ہی پڑھ کر وکیل بنتے ہیں۔''

❁ ❁ ❁ ❁

کسی کو اس کی ظاہری حالت سے نہیں پرکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک جیسا بنایا ہے۔ کوئی امیر ہے تو کوئی غریب۔

نصیحت

میمونہ ارم
مونشاہ

''شرجیل! شاہ میر! کہاں ہیں آپ دونوں؟ جلدی سے تیار ہو جائیں، ہمیں عید کی شاپنگ کرنے بازار جانا ہے۔''

اٹھائیسویں روزے کی افطاری کے بعد پاپا نے کہا اور وہ دونوں جو موبائل پر ویڈیو گیم کھیل رہے تھے یہ بات سن کر جلدی سے اٹھے اور بازار جانے کی تیاری کرنے لگے۔

''پاپا! عید تین دن کی ہوتی ہیں مجھے تین سوٹس ہی لینے ہیں۔''

آٹھ سالہ شاہ میر نے گھر سے نکلتے ساتھ اپنی فرمائش ظاہر کی۔ اس کی بات سن کر پاپا مسکرائے۔

''اور پاپا! مجھے سوٹ کے ساتھ جیکٹ اور ٹوپی بھی چاہیے تاکہ جب عید کی نماز پڑھ کر گھر آؤں تو سب سے پیارا میں لگوں۔'' دس سال کے شرجیل نے اپنے بڑے ہونے کا رعب قائم رکھنا تھا وہ کیسے پیچھے رہتا۔

''ٹھیک ہے تم دونوں کو جو چاہیے ہو لے لینا۔'' پاپا نے پیار سے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ تینوں بازار پہنچ گئے۔ لوگ سارا دن روزہ رکھ کر گھر میں یا دیگر کاموں میں مصروف رہتے اور افطاری کے بعد بازار کا چکر لگاتے اس وجہ سے رش بہت زیادہ تھا۔

شرجیل اور شاہ میر کی طرح بہت سے بچے اپنے

والدین کے ساتھ عید کی چیزیں خریدنے آئے ہوئے تھے۔ ''پاپا! مجھے یہ باسکٹ بال بھی لے کر دیں!''

کپڑے، جوتے اور ضرورت کی دیگر اشیاء کی خریداری کے بعد وہ سب کھانے کے اسٹال کی طرف گئے کیونکہ اب شاہ میر کو بھوک ستانے لگی تھی۔ اس نے ایک ریڑھی پر باسکٹ بال دیکھا تو پاپا سے کہا۔

''چھوڑو شاہ میر! یہ سستی چیزیں ہوتی ہیں اور بالکل بھی اچھی نہیں ہوتیں۔''

شرجیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ریڑھی سے دور کیا۔ جس پر بچوں کے کھلونے موجود تھے لیکن وہ سستی کوالٹی کے لگ رہے تھے اور ان دونوں کو پاپا ہمیشہ اچھی شاپس سے چیزیں خرید کر دیا کرتے۔

''بیٹا! یہ باسکٹ بال کتنے کا ہے؟'' پاپا نے ریڑھی پر موجود چھوٹے سے بچے سے پوچھا جو لگ بھگ شرجیل کی عمر کا لگ رہا تھا۔

''صاب جی! یہ گیند چالیس روپے کا ہے۔'' اس بچے سے معصومیت سے جواب دیا۔

''پاپا! رہنے دیں نا یہ لڑکا خود بھی غریب سا لگ رہا ہے اور اس نے کپڑے بھی میلے کچیلے پہن رکھے ہیں۔ یہ چیزیں بھی گندی ہوں گی۔

اس سے اچھا ہے آپ ہمیں کسی اچھی شاپ سے بال دلا دیں جو زیادہ عرصہ استعمال بھی ہوگی۔''

نفاست پسند شرجیل کا ان لوگوں کا وہاں سڑک پر ایک عام سی ریڑھی پر کھڑے ہونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''اونہوں!! بری بات ہے شرجیل بیٹا! کسی کو اس کی ظاہری حالت سے نہیں پرکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کو ایک جیسا بنایا ہے۔ کوئی امیر ہے تو کوئی غریب۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں ہے بلکہ یہ سب اللہ نے ہماری آزمائش کے لیے کیا ہے تاکہ معلوم ہو ہمارا رویہ کیسا ہے؟'' پاپا نے اسے سمجھایا۔

''لیکن پاپا! میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا'' شرجیل کو شرمندگی نے آن گھیرا۔

''جی! میں جانتا ہوں آپ کا مقصد یہ نہیں تھا لیکن دیکھیں آپ کی بات سے اس بچے کو کتنی تکلیف ہوئی ہے اس کا چہرہ لٹک گیا ہے۔'' پاپا نے ریڑھی والے بچے کی جانب اشارہ کیا جو میلی آستین سے اپنے بہتے آنسو صاف کر رہا تھا۔

''کوئی بات نہیں صاحب! ہمیں ایسی باتیں سننے کی عادت ہے۔ آپ اپنے بچے کو مت ڈانٹو!'' اس بچے نے شرجیل کے پاپا سے کہا اب وہ مسکرا رہا تھا۔

''معذرت دوست! میرا واقعی میں ایسا کوئی مقصد نہیں تھا بلکہ ہمیں صاف ستھرے ماحول میں رہنے کی عادت ہے اس لیے شاید اس جگہ ریڑھی کو کھڑے دیکھ کر مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں نے انجانے میں تمہیں دکھ پہنچایا۔ مجھے معاف کر دو ورنہ اللہ پاک مجھ سے راضی نہیں ہوں گے۔''

شرجیل نے نم آنکھوں سے اس بچے کو دیکھا۔ اس کی بات سن کر پاپا خوش ہوئے کہ ان کے بیٹے نے ان کا مان رکھا ہے۔

''پاپا! اب گھر چلیں!''

شاہ میر جسے کسی بات کی سمجھ نہیں آرہی تھی اس نے پاپا سے کہا۔ جاتے ہوئے سب سے زیادہ خوش وہی تھا کیونکہ اس نے باسکٹ بال کو ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا۔

❁❁❁❁❁

''مما! مما! ہم دونوں کیسے لگ رہے ہیں؟''

عید کے روز دونوں بھائی نئے سوٹ پر جیکٹ اور ٹوپی پہنے کچن میں آئے اور مما سے سوال کیا۔

''ماشاءاللہ! میرے دونوں بچے بہت پیارے لگ رہے ہیں اللہ کرے کسی کی نظر نہ لگے'' مما نے انہیں دیکھ کر بے ساختہ دعا کی۔

''مما! میں زیادہ پیارا لگ ہوں ناں؟'' ننھے شاہ میر نے پوچھا۔

''آپ دونوں ہی زیادہ پیارے لگ رہے ہو'' مما نے شرجیل کا اترتا چہرہ دیکھ کر پھر سے کہا اور باری باری دونوں کے سروں پر پیار کیا۔ وہ دونوں خوش ہو گئے۔

''آجاؤ بچو! مسجد کے لیے نکلتے ہیں'' پاپا نے انہیں اپنے ساتھ لیا اور عید کی نماز ادا کرنے مسجد چلے گئے۔

''ارے پاپا! رکیں یہ وہ تو کل رات والا لڑکا ہے'' وہ مسجد کے پاس پہنچے تو اچانک شرجیل نے شاہ میر اور پاپا کو روکتے ہوئے کہا۔

''کہاں پر؟ اور کون سا لڑکا؟'' شاہ میر نے بھائی کی طرف دیکھا۔ پاپا بھی حیران ہوئے۔

''ارے وہی۔ وہ ریڑھی والا لڑکا اور دیکھیں اس نے رات والے ہی کپڑے پہن رکھے ہیں۔''

شرجیل کے ہاتھ سے اشارہ کرنے پر انہوں نے دیکھا کہ جس بچے سے پاپا نے شاہ میر کو بال دلائی وہ نمازیوں کے جوتوں کے پاس اداس بیٹھا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا! آپ یہاں اس طرح کیوں بیٹھے ہو؟'' پاپا اس بچے کے قریب گئے اور سوال کیا۔ جواب میں اس نے سر اٹھایا تو وہ رو رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم رو کیوں رہے ہو؟'' شرجیل بھی آگے بڑھا۔

''میں مسجد میں عید کی نماز پڑھنے آیا لیکن بہت سے بچوں نے مجھے ڈانٹا کہ میرے کپڑے میلے ہیں تم مسجد میں نظر نہ آؤ!'' اس بچے نے جواب دیا۔

''ہاں! تو تمہیں پتا جو ہے آج عید ہے تم نئے کپڑے پہن کر آتے ناں'' شرجیل نے اسے سمجھایا۔

''لیکن میرے پاس تو نئے کپڑے ہی نہیں ہیں'' بچے کے معصومیت بھرے انداز پر پاپا کو دکھ ہوا۔

''چلیں ہم آپ کو نئے کپڑے دلا دیتے ہیں۔'' انہوں نے بچے کو تسلی دی۔

''لیکن پاپا! اس وقت تو سب دکانیں بند ہوں گی آپ اسے کپڑے کہاں سے دلاؤ گے؟'' شاہ میر نے سوال کیا۔

''شاہ میر اور شرجیل! میں تم دونوں کو ایک واقعہ سناتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی نماز پڑھنے گئے۔

جب وہ واپس گھر تشریف لا رہے تھے تو دیکھا گلی میں ایک بچہ رو رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ وہ کیوں رو رہا ہے تو اس نے جواب

دیا کہ اس کے پاس عید پر پہننے کو نئے کپڑے نہیں ہیں۔ پھر پتا ہے کیا ہوا؟'' پاپا نے آدھا واقعہ سنا کر ان دونوں سے پوچھا۔ دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ساتھ میں ریڑھی والے بچے نے بھی۔ تو پاپا مسکرائے اور کہا۔

''پھر ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس روتے ہوئے بچے کو گھر لے آئے اسے کپڑے دیئے اور اس طرح اس بچے نے عید پر نئے کپڑے پہن لیے اور وہ خوش ہو گیا۔''

پاپا کی بات مکمل ہوتے ہی شرجیل نے کہا کہ ''اوہ! تو اس کا مطلب آپ چاہتے ہیں ہم بھی اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اس لڑکے کو گھر لے کر جائیں اور جو کپڑے خریدے ہیں اسے بھی دیں تاکہ یہ بھی اپنی عید اچھے سے منا سکے۔''

اس پر پاپا مسکرائے اور اثبات میں سر ہلایا وہ جانتے تھے ان کے دونوں بچے بہت سمجھدار ہیں۔

''ٹھیک ہے پاپا! آپ ہمارا انتظار کرو ہم تینوں ابھی آتے ہیں۔'' یہ کہہ کر شاہ میر اور شرجیل نے اس بچے کا ہاتھ پکڑا اور گھر کی طرف بھاگے۔

پاپا نے گھڑی کی جانب دیکھا عید کی نماز شروع ہونے میں ابھی وقت باقی تھا اور انہیں یقین تھا ان کے بچے تب تک اپنے نئے دوست کو ساتھ لیے مسجد پہنچ جائیں گے کیونکہ اس عید نے انہیں ایک پیاری سی نصیحت جو دی ہے۔

❁❁❁❁❁

عجیب واقعہ

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے قاضی محمد ابن عبدالرحیم العثمانی کی تحریر دیکھی جس میں لکھا تھا:

مجھے امیر سیف الدین الحسامی نے بتلایا کہ میں ایک دن صحرا کی طرف نکلا تو علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کو ایک قبر پر کھڑے دیکھا۔ وہ روتے ہوئے پڑھ رہے تھے اور دعا کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا:

کیا ماجرا ہے؟

تو فرمایا: اس قبر میں مدفون شخص میرا شاگرد ہے اور مجھ سے پڑھا کرتا تھا۔ اسکی وفات ہوگئی تو رات مجھے خواب میں ملا۔ میں نے حال احوال دریافت کیا تو کہنے لگا:

جب آپ لوگوں نے مجھے قبر میں دفنایا تو ایک دھاری دار کتا آدھمکا جیسے کوئی درندہ ہو۔ وہ مجھ پر غرانے لگا جس سے میں بری طرح خوف زدہ ہو گیا۔ اتنے میں بہت ہی خوب صورت حلیے والا ایک بڑا مہربان سا شخص آیا اور اس کتے کو دھتکار کر وہاں سے بھگا دیا۔ میں نے پوچھا: آپ کون؟

تو کہا:

میں تیرا وہ ثواب ہوں جو تو جمعے کے دن سورت کہف کی تلاوت کر کے کماتا تھا۔

(الدرر لابن حجر)

محمد احمد

وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد ارھابی

۳۶

وہ یمامہ کے بادشاہوں میں سے تھے۔ان کا قبیلہ یمامہ میں آباد تھا۔

ان کا اپنے علاقے میں بڑا اثر ورسوخ تھا۔اسلام لانے سے پہلے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلام لانے سے پہلے مسلمانوں سے جنگ بھی کی تھی اور کئی صحابہ کرامؓ کو شہید کیا تھا۔

ایک بار وہ مکہ جارہے تھے کہ راستے میں مسلمان سپاہیوں نے دیکھ لیا اور گرفتار کرکے مدینہ لے آئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا اورانہیں کچھ روز قید رکھنے کے بعد چھوڑ دیا۔

یہ حسن سلوک دیکھ کر وہ مسلمان ہوگئے اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ میں نے جتنے مسلمانوں کو شہید کیا،اس سے کئی گنا زیادہ کفار کو قتل کروں گا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد آپ مکہ پہنچے اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔اس کے بعد یہ اعلان بھی کیا کہ اب سے میں اہل مکہ کے لیے غلہ نہیں بھیجوں گا،جب تک مجھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حکم نہ دیں گے۔

جب انہوں نے غلے کی ترسیل روک دی تو اہل مکہ پہ سخت قحط آن پڑا۔تب انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط

لکھ کر مدد کی درخواست کی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ان صحابی کو پیغام بھیجا کہ غلے کی ترسیل نہ روکو، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پہ غلہ بھیجنا شروع کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب کا فتنہ کھڑا ہوا تو انہوں نے عملی طور پہ جہاد کیا۔

وہ شعر بھی کہا کرتے تھے اور اس جنگ میں مسیلمہ کے خلاف بھی کئی اشعار پڑھے۔

اسی جنگ میں انہوں نے ایک نامی گرامی کافر سردار کا قیمتی جوڑا زیب تن کیا اور اسے پہن کر باہر نکل آئے۔ کفار نے انہیں دیکھا کہ یہ تو ہمارے سردار کا لباس پہنے ہوئے ہے، چنانچہ انہوں نے آپ ؓ کو شہید کر دیا۔ یوں آپ ختم نبوت کی پہرے داری کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے۔

وہ کون تھے سلسلہ ۳۵ کا جواب:
حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ

وہ کون تھے؟؟

شمارہ رمضان ۱۴۴۳ھ ہجری کے انعام یافتہ

قاسم خان، صوابی

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

محمد شعیب، کہروڑ پکا۔ یاسمین، کراچی۔ عیسیٰ السیف، بہاولپور۔ خالدہ، کراچی۔ ہمشیرہ محمد احمد، پنو عاقل۔ گلزار احمد، ڈیرہ اسماعیل خان۔ داؤد السیف، بہاولپور۔ میمونہ ہاشمی، مردان۔ کفایت اللہ، لودھراں۔ بنت عبدالہادی۔ دانیال حسن۔ عمار حسین۔ عبدالمجید شاکر۔ محمد عمر چغتائی۔

دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

آج پہلی بار میں آپ سے سوال کر رہی ہوں۔

ماشاء اللہ آپ کو پڑھتی ضرور آئی ہوں ذہین تو آپ ماشاء اللہ بہت ہیں۔

امید ہے درست جواب دیں گے۔

سوال نمبر 1: آپ کا یہ نام بوجھ بجھکڑ کس نے رکھا؟

☆ میں دنیا کا وہ پہلا شخص ہوں جس نے اپنا نام خود رکھا ہے۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

سوال نمبر 2: آپ کی عمر کتنی ہے؟

☆ پاکستان سے آدھی سے تھوڑی زیادہ

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

سوال نمبر 3: وہ کون سی زمین ہے جس میں نہ ریت ہے نہ مٹی پھر بھی اس میں فصل اگتی ہے؟

☆ جس جگہ مٹی اور ریت نہ ہو اسے زمین نہیں کہتے۔

لائبہ اختر عزیز، باغ، آزاد کشمیر

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

محترم بوجھ بجھکڑ!

جس نے گھڑی بنائی اس نے ٹائم کہاں سے دیکھا؟

☆ پہلے گھڑی بنائی پھر اسی میں وقت دیکھا۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

وہ کون ہے جو اپنے ہی گھر سے نکل کر اپنے ہی گھر

سے ٹکرا جاتا ہے؟

☆ایسے دو تین غائب دماغ بندوں کو میں جانتا ہوں اب کس کا نام بتاؤں؟

❁❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

جس کو غصہ آتا ہے کیا یہ پیدل چل کر آتا ہے یا سوار ہو کر؟

☆غصہ نہ پیدل آتا ہے نہ سوار، غصہ اڑ کر آتا ہے۔

❁❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

زندگی کی گاڑی میں پیٹرول کیوں نہیں ڈالا جاتا؟

☆ کیونکہ بکری کو بھی تو گوشت نہیں کھلایا جا سکتا۔

❁❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ کیسے رنگ پکڑتا ہے ان کی آنکھوں کی طرف ہماری رہنمائی فرمائیں ہمیں تو نہیں ملیں؟

☆وہ اس بیچارے کی آنکھ ہی ہوتی جہاں آپ لوگ چھری کی نوک رکھ کر دباتے ہیں۔

مریم ربنواز

❁❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

عید پر عیدی دیتے ہیں اگر دیتے ہیں تو کتنی؟ ہم کہاں آسکتے ہیں آپ سے عیدی لینے؟

☆عید پر عیدی دیتے ہیں اور بہت ساری دیتے ہیں لیکن بصورت دانش، وہ لینے کے لئے آپ کو آنے کی ضرورت نہیں۔

عائشہ بخاری

❁❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

اگر آپ نے لال پتھر کو نیلے سمندر میں پھینکا تو وہ کیسا ہو جائے گا؟

☆ایسا

❁❁❁❁❁

محترم بوجھ بجھکڑ صاحب!

یہ بتائیں کہ آدھے سیب کا ٹکڑا کس کے جیسا نظر آتا ہے؟

☆دوسرے آدھے سیب جیسا

ہمشیرہ محمد احمد

❁❁❁❁❁

آدھی ملاقات

قابل صد احترام مدیر بھائی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے رب کریم سے کہ آپ سب خیریت سے ہونگے، مسلمان بچے اور بنات عائشہ رسالہ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا جارہا ہے مدیر بھائی اللہ تعالیٰ آپ کو دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرور فرمائے۔ اصل میں رسالوں سے جدا تو نہیں ہوتے ویسے زندگی کے اس مرحلے پر پہنچ کر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح قدر سمجھ آئی ہے کہ چار چیزوں کو چار چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھ زندگی کو موت سے پہلے صحت کو بیماری سے پہلے، فراغت کو مصروفیت سے پہلے اور جوانی کو بڑھاپے سے پہلے۔

مسلمان بچے کے ایک بہترین سلسلہ جانباز کا اختتام ہوگیا۔ اللہ ان کو جنت کا اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ زبیر طیب سے گزارش ہے کہ آئندہ بھی لکھتے رہیے گا۔ جانباز کی شہادت کے وقت دل کی جو حالت ہوئی مت پوچھئے۔ بے ساختہ دل سے دعا نکلی کہ یا اللہ کشمیر کو آزاد فرما!

سب لکھاری بہن بھائی اچھا لکھ رہے ہیں۔

امیر محترم کو سلام اور دعاؤں کی طلبگار:

عبیرہ ماہین

❁❁❁❁❁

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ:

ہمارے قارئین کرام لکھاری حضرات اور محترم ومکرم مدیر صاحب پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔ رمضان المبارک کے شمارے پر تبصرہ حاضر خدمت ہے۔ سب سے پہلے ایک نگاہ سرورق پر ڈالی، رمضان المبارک کے لحاظ سے ڈیزائنگ بڑی عمدہ تھی اس کے بعد اداریہ پڑھا جو کہ ہمیشہ کی طرح بے حد مفید اور اعلیٰ رہا، اس کے بعد سرورق کہانی رمضان المبارک کے آنسو' بھائی محمد فیصل علی کی

منفرد کہانی بڑی پسند آئی۔ مسلمان بچے میں اب ماشاءاللہ سے کافی بہترین اور سبق آموز کہانیاں پڑھنے کو مل رہی ہیں جیسے مسلمان کی شان لبادہ پوش، نیت، قیمتی کون، ضمیر کی آواز وغیرہ اس بار تحریروں کی دنیا میں بھی کافی مختصر تحریریں پڑھنے کو ملیں۔

وہ کبوتری، عمار حسین کی تحریر بھی بڑی زبردست تھی۔ شہید زندہ ہے ایک دل چھو لینے والی سچی داستان بہت ہی اچھی لگی۔ اس بار آرٹ گیلری میں بھی کافی شاندار آرٹ دیکھنے کو ملے۔

کراچی ایک ہنستی مسکراتی بڑی عمدہ تحریر تھی۔ جسے پڑھ کر ہماری معلومات میں بھی اچھا خاصا اضافہ ہوا۔ دانش کدہ میں امام العقلاء جناب بوجھ بجھکڑ صاحب نے بڑے عمدہ اور خوبصورت جواب دیئے، آپ کی دانش کا کوئی مقابلہ نہیں جناب۔ آدھی ملاقات میں اس بار خطوط بہت کم پڑھنے کو ملے مگر بھائی محمد شعیب کا خط اچھا لگا۔ بلاشبہ پورا شمارہ بہترین اور زبردست تھا۔

اللہ تعالیٰ اس رسالے کو مزید ترقیاں عطاء فرمائے آمین اور آخر میں بڑی ہمت کر کے محترم مدیر صاحب آپ سے ایک عدد گزارش کرنا تھی جیسا کہ قارئین کرام کی خواہش ہے اور انکا اصرار بھی بڑھ رہا ہے کہ رسالے میں کوئی سلسلہ وار کہانی ہو تو محترم مدیر صاحب پوچھنا یہ تھا کہ میں نے سلسلہ وار کہانی اونچی اڑان کی چودہ اقساط بھیجی تھیں کیا وہ آپ تک پہنچی ہیں؟ اگر پہنچی ہیں تو کیا ہم اس کی اگلی اقساط واٹس ایپ پر ہر ماہ بھیج سکتے ہیں؟ کیونکہ اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی بااعتماد ذریعہ نہیں ہے امید ہے کہ آپ ہماری راہنمائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

''والسلام''

تسلیمہ موسیٰ

❁❁❁❁❁

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

محترم ومکرم مدیر معظم!! امید ہے کہ آپ اور آپ کی پوری کابینہ نہایت جانفشانی سے رسالہ ''مسلمان بچے'' کی تیاری میں منہمک ہوں گے..... اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص، خشوع وللّٰہیت سے دینی کاموں سے وابستہ رکھے، آمین

''بناء بر اختصار، بناء بجا آواری آداب بندہ عرض پرداز ہے کہ ''رسالہ مسلمان بچے'' راقم کو پابندی سے اور بر وقت نہیں مل پاتا، بوجہ چند مجبوریوں اور مروتوں ہا کر حضرات سے تعزیر ممکن نہیں۔ لہذا درخواست ہے کہ شمارہ ادارے سے براہِ راست حاصل کرنیکا کا طریقہ اطلاع فرمادیں تا کہ آئندہ ناغے اور دیر سے ملنے کی کوفت سے بچا جا سکے۔ عین نوازش ہوگی!!

شعبان کا شمارہ بروقت نہ پہنچے کے باعث تبصرہ تو کرنے سے رہے۔

اس لیے اسقدر پر ہی اکتفاء ناگزیر سمجھتے ہیں۔

والسلام!

محمد شعیب، کہروڑ پکا

❁❁❁❁❁

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

سلام کے بعد عرض ہے کہ مدیر صاحب پہلی دفعہ خط لکھ رہا ہوں حالانکہ میں مسلمان بچے کا کافی عرصے سے قاری ہوں مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے اور مجھے لگتا ہے یہی وہ واحد جگہ ہے جہاں سے میں اپنے لکھنے کا آغاز کرسکتا ہے اور یہی وہ واحد پلیٹ فارم ہے جہاں سے میں اپنے لکھنے کے انداز کو بہتر بنا سکوں اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ''مسلمان بچے'' کو اسی طرح ترقی عطا فرمائے اور ہمارے لیے نئے نئے مواقع لے کر آتا رہے۔

والسلام:

ارسلان عفی عنہ، نوشہرہ

❁❁❁❁❁

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

شعبان کا رسالہ ملا۔ ماشاء اللہ بہت ہی زبردست اور ہماری سوچ سے بڑھ کر ثابت ہوا۔ اللہ کریم ہمارے رسالے کو زمانے کے فتنوں سے بچائے (آمین)

ماشاء اللہ پرانے لکھاریوں کے ساتھ ساتھ نئے نئے لکھاری و لکھاریات چھاتے جارہے ہیں، نئے لکھاریوں کو پڑھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ تمام کہانیاں ہی بہت زبردست تھیں۔ امیر محترم حفظ اللہ کی تحریر ہر ماہ کی طرح پُراثر تھی۔ اللہ رب العزت ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے (آمین)

غازی علم الدین شہیدؒ سے عامر چیمہ شہید تک والا سلسلہ بہت زبردست ہے۔ اپنے اسلاف کی تاریخ پڑھنا مجھے بہت پسند ہے۔ اللہ کریم تمام عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبروں پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں اور ان کی قبروں کو منور فرمائیں آمین۔ یہی وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے اپنی جان کی بازی لگا کر آقا کی ناموس پر قربان ہوکر ہمیشہ کے لئے امر ہوگئے، اللہ تعالیٰ تمام شہدائے کرام کی شہادت کو اپنی بارگاہ میں قبول منظور فرمائیں (آمین)

مدیر محترم! آپ کے التماس ہے کہ رسالے میں کچھ نیا سا سلسلہ شروع کریں تاکہ ہم کو بھی کچھ کرنے کا موقع ملے۔

والسلام

مریم ربنواز (دومیل ضلع اٹک)

❁❁❁❁❁

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے اور ہمارے لئے آئندہ شمارے کو تیار کرنے میں مصروف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ اور آپ کی ٹیم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

رمضان کا رسالہ قدرے تاخیر سے دیکھا اور پھر اس کے کچھ دنوں بعد پڑھنے کا بھی موقع مل ہی گیا۔ سبھی تحریریں بہت خوب مگر بھائی محمد فیصل کی رمضان کے آنسو اور تسلیمہ موسیٰ کی جھوٹ کی دوکان شاندار تھیں۔ اس کے علاوہ انعم توصیف صاحبہ تو باقاعدہ ایک اچھوتے اور شاندار سلسلے کے ساتھ مستقل مزاجی سے لکھ رہی ہیں اور کیا ہی خوب لکھ رہی ہیں۔ نئے مگر بہت ہی جلدی مقبول ہونے والے سلسلے وہ کون تھے نے تو ماشاء اللہ قارئین کے دل میں بہت جلدی جگہ بنالی ہے۔ اس کے لئے مجاہد

بن محمد ارہابی مبارکباد کے مستحق ہیں۔اور پھر ہمارے سب سے محبوب سیکشن بوجھ بجھکڑ کی تو کیا ہی بات ہے۔

نئے لکھاری بھی بہت اچھا لکھنے لگے ہیں جیسے نایاب ربنواز، فاکہہ قمر، عمار حسین، عائشہ بہن، مہوش زاہد و دیگر!!

مسلمان بچے اس لحاظ سے ہمارے لئے کسی نعمت سے کم نہیں کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر لکھنا سکھایا ہے بالکل ایسے ہی جیسے کسی چھوٹے بچے کو ہاتھ پکڑ کر چلنا سکھایا جاتا ہے۔ ہماری ٹوٹی پھوٹی تحریریں شائع کر کے ہمارے اندر ایک ہمت اور جذبہ بیدار کیا ہے۔

بلاشبہ مسلمان بچے کا پلیٹ فارم انمول ہے بہت ہی انمول !!حال ہی میں بچوں کے ایک لکھاری جو کہ اب بڑے لکھاریوں کی فہرست میں شامل ہو گئے ہیں ایک انٹرویو کے دوران کہنے لگے کہ سال 2012 میں پہلی بار ان کا نام مسلمان بچے نامی رسالے میں شائع ہوا وہ بھی ضمناً۔ یہ وہ وقت تھا جب پہلی بار دل نے اس قدر سرشاری محسوس کی کہ اس کے بعد میں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

اور آج موصوف کی کئی کتب باقاعدہ شائع ہو چکی ہیں۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ مسلمان بچے ہمارے لئے کس قدر قیمتی ہے۔ ہمارے بہترین مستقبل کے لئے کوشاں۔ نہ صرف ہمیں دین اسلام سے روشناس کروا رہا ہے بلکہ ہمیں ایک اچھا لکھنے کے لئے تیار کر رہا ہے۔اور وہ بھی بالکل مفت۔ مصر میں بچوں کے ایک رسالے کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس میں تحریر شائع کروانے پر باقاعدہ فیس ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ سنی سنائی خبر نہیں بلکہ وہاں کے ایک دوست نے خود مجھے یہ بات بتائی۔

یا اللہ! آپ کا شکر کہ اس قدر خوبصورت نعمت سے نوازا ہے۔ ہم سب کو اس رسالے کی ترقی اور اس کی بقاء کے لئے کوشاں رہنا چاہیے۔

سچ پوچھیں تو مجھے ٹھیک سے پانچ لائنیں بھی لکھنا نہیں آتی تھیں۔ درجہ خامسہ کے دوران ایک تحریر لکھی۔ مدیر صاحب نے کچھ تصحیح فرمائی اور شائع کر دی۔ نام دیکھ کر ایسا خوش ہوا کہ آج تک وہ رسالہ محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد لکھنے کا جنون سوار ہو گیا۔

مسلمان بچے رسالے کو تختہ مشق بنایا اور آج کچھ نہ کچھ جملے بنا کر ٹوٹا پھوٹا لکھ ہی لیتا ہوں۔ جانباز کی صورت آپ نے جو پیار دیا اور جو اپنائیت و مقبولیت دی اس پر مسلمان بچے رسالے کا اور آپ سبھی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مسلمان بچے سے یہ تعلق ہمیشہ قائم رہے اور آپ سبھی کا پیار ملتا رہے اسی لئے جلد ایک بہترین قسط وار سلسلے کے ساتھ حاضر ہوں گا۔ انشاءاللہ

بس یہی چند باتیں عرض کرنی تھیں۔ خط طویل نہ جائے اس لئے اجازت چاہتا ہوں۔ امید ہے مدیر محترم ہمارے ساتھ ایسی شفقتیں ہمیشہ فرماتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمان بچے رسالے کو دن دگنی اور رات چگنی ترقیاں عطا فرمائے اور اسے ہر قسم کی مشکلات سے محفوظ فرمائے۔ آمین

والسلام

زبیر طیب

آپ کی پسند

نعت

مبارک باد اے لوگو! کہ ختم المرسلین آیا
زمانے میں کوئی اُن جیسا نہیں آیا نہیں آیا
نہیں کوئی معبود الااللہ نہیں کوئی مسجود الااللہ
مبارک باد اے لوگو! کہ ختم المرسلین آیا
زمیں خوش ہے زماں خوش ہے مکیں خوش ہے مکاں خوش ہے
صنفِ ناتواں خوش ہے یہ بے کس بے امان خوش ہے
بتا کچھ اے حلیمہ سعدیہ ان سا کہیں دیکھا
بہت دیکھے حسین لیکن کوئی آقا سا نہیں دیکھا
یہ ان چاند کا بھی بدرِ منیر آیا
وہ اتنے مرتبوں والا وہ اتنے رفعتوں والا
وہ اتنے منقبت والا وہ اتنے رفعتوں والا
کہ ساتوں آسمان بھی جس کے زیر نگین آیا
ہدایت جگمگا اٹھی ضلالت ڈگمگا گئی
بہاریں مسکراتی ہیں ہوائیں چمک جاتی ہیں
کہ شہنشاہ زماں آیا شہنشاہ زمیں آیا
وہ رحمت کا سفینہ ہے سعادت کا خزینہ ہے
سفیران محمد مصطفیٰ ﷺ کے صحابہؓ ہیں
نبوت کے رسالت کے گواہ صحابہؓ ہیں
انہوں کی شان محنت سے یہ ہم تک دین وقرآن آیا
مبارک باد اے لوگو! کہ ختم المرسلین آیا

(انتخاب: بنتِ حافظ فاروق)

حق چار یار

نرالا ہے صدیقؓ اور عمرؓ نرالا ہے
غنیؓ علیؓ نے بھی کام اُن کا سنبھالا ہے
صدیقؓ کی لازوال محبت تو دیکھو
آقا ﷺ کے لیے سب کچھ وار ڈالا ہے
عمرؓ کی نرالی طاقت تو دیکھو
کفر کے ایوانوں کو ہلا ڈالا ہے
اور غنیؓ کی حیا کی تم حالت دیکھو
آقا ﷺ نے بھی پنڈلی کو چھپا ڈالا ہے
علیؓ کی تم بھی ذرا جرأت تو دیکھو
خیبر کو جس نے فوراً فتح کر ڈالا ہے
حسنؓ حسینؓ جنتی سرداروں کو دیکھو
سوہنے آقا نے جن کو آپ پالا ہے
بلالؓ حبشی کی نرالی قسمت تو دیکھو

کیا ہوا جو اس کا رنگ کالا ہے؟
تم بھی ملو! ان پھولوں کے ساتھ
مل گیا جو اس لشکر کے ساتھ قسمت والا ہے
(انتخاب: سدرہ مریم، گجرات)

وقت

وقت ہے دولت، وقت سرمایہ
جس نے جانا اس نے کمایا
وقت کے ساتھ جو چلنا جانے
اس کا لوہا دنیا مانے
وقت کی عزت جس نے کی ہے
جگ میں اس کی دھوم مچی ہے
جس نے اپنا وقت گنوایا
آخر رویا اور پچھتایا
وقت کی کھائی قسم خدا نے درس دیا محبوب خدا نے
آج نہیں گرکل سے بہتر، ہوا تباہ وہ ہوا وہ ابتر
شاہد وقت کی قدر تم کرنا، دامن اپنا خوشی سے بھرنا
(انتخاب: بنتِ حفیظ اللہ، پہاڑپور)

قدم با قدم

راہ حق پر قدم با قدم
نکلے رب کے بھروسے پہ ہم
جس کی خاطر سبھی اپنی خوشیاں
جس کی خاطر سبھی اپنے غم
زندگی بھر یہی آرزو اک رہی
اپنا سینہ فقط گولیوں سے سجے
موت کو موت کی گھاٹیوں میں سدا
سر پہ باندھے کفن ڈھونڈتے ہم رہے
لاکھوں طوفان ہم کو اُٹھے روکنے
اور نہ رک پائے اپنے قدم
قوت لشکر دشمناں دیکھ کر
اپنے رب پر یقیں اور بڑھتا گیا
بدر واحد وحنین سے گزرتا ہوا
کارواں سوئے جنت چلتا گیا
راہ میں کربلا جیسے میدان سجے
اور نہ جذبات ہو پائے کم
اس کی قسمت پہ رشک آسمان بھی کرے
جس کو بس اپنے رب کی رضا چاہیے
یہ شہادت کی لذت جسے مل گئی
اس کے بعد اس کو پھر اور کیا چاہیے
ہم وہی جام پینے چلے تھے مگر
اجنبی بن گئے آج ہم
نام پر ساتھیو جس کے اب تک جیے
آرزو ہے کہ اب دمبھی اس پر کٹے
دیکھنا تم یہاں جی لگانا نہیں
چاہتے ہو اگر جنتوں کے مزے
بس ذرا سی یہاں سختیاں جھیل لو
پھر نہ تم پاؤگے کوئی غم
(انتخاب: عزیر، معاذ بخاری، مانسہرہ)

آرٹ گیلری

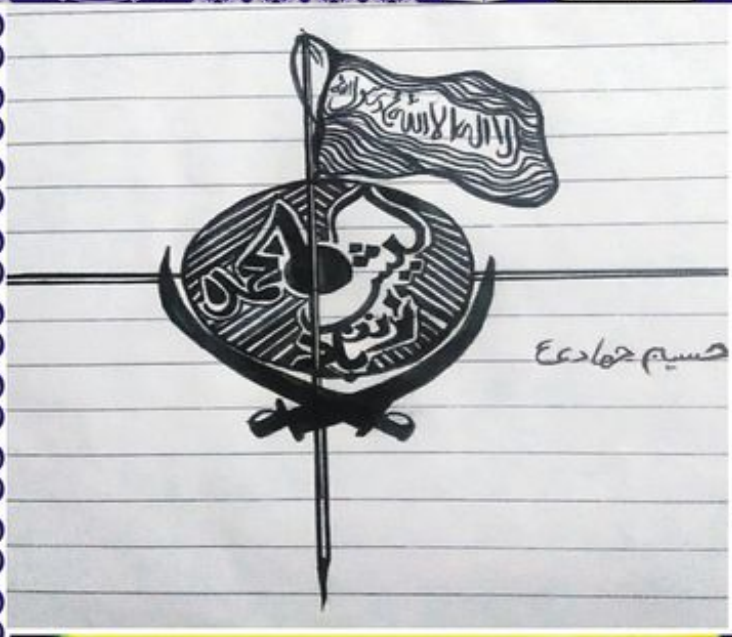
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
حسیم حماد ع

محمد

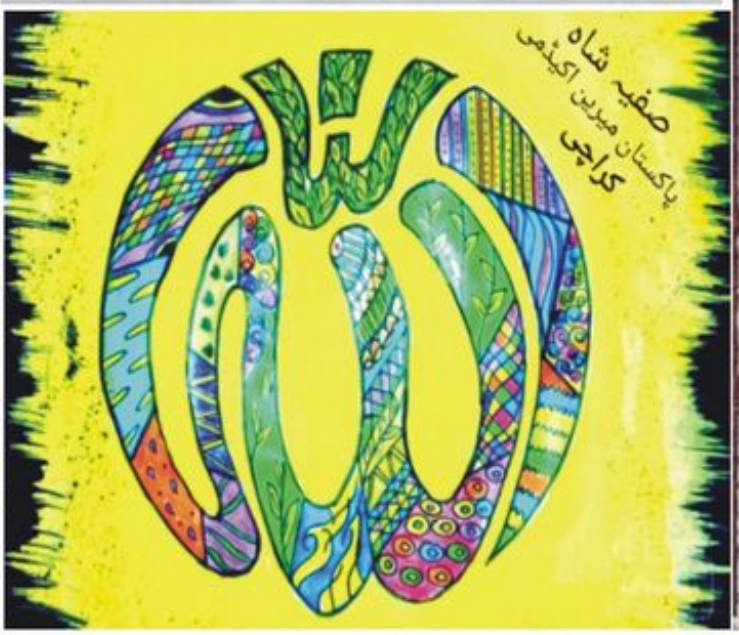
صفیہ شاہ
پاکستان میرین اکیڈمی
کراچی

عید مبارک
اسعد روش

رب العالمین
جل جلالہ
گل جھنگوی

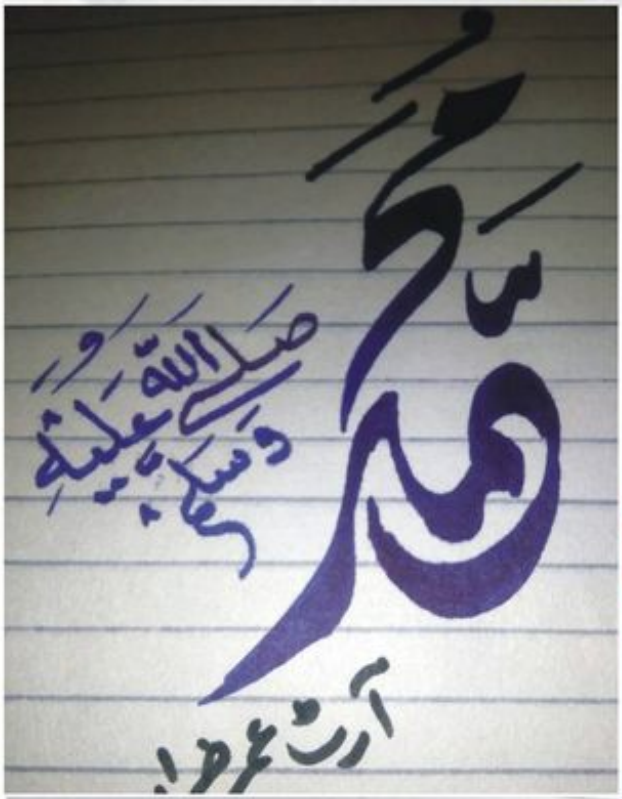
محمد
صلی اللہ علیہ وسلم
آرٹ عمدہ!

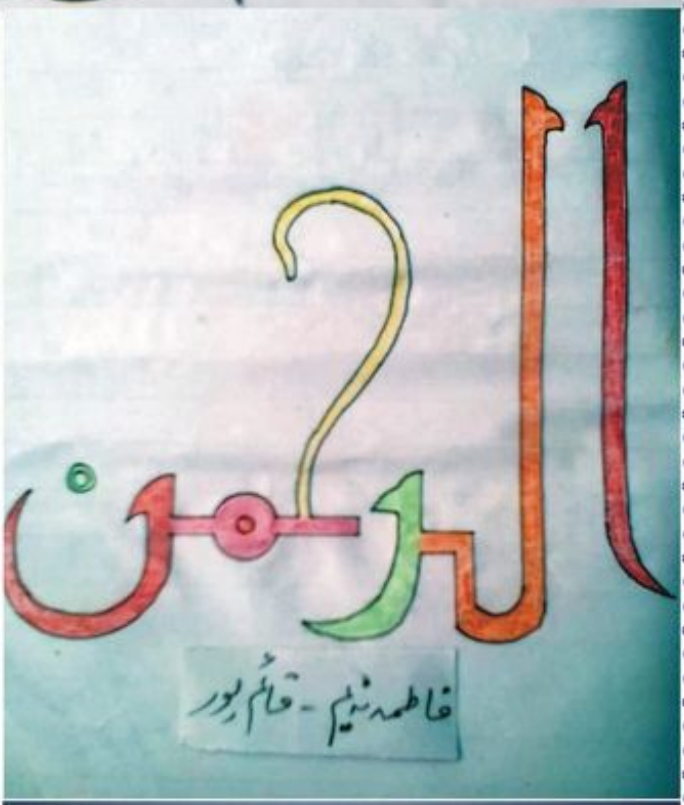
الرحمن
فاطمہ نعیم - قائم پور

الجہاد
رمضان
مبارک

عید
مبارک
از کنول، کپی کھوہ
ضلع خانیوال

جل جلالہ
اللہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
عمارہ بتول

Sangat Shah Kallang
إن الله وملئكته يصلون على النبي
يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

نماز دین کا ستون ہے ★ نماز مومن کی معراج ہے
قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا
نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے ★ نماز دل کا سکون ہے ★ نماز فرض ہے

ALLAH

جیش
صلی اللہ علیہ وسلم
عافیہ میمون طیب مفیض آباد

مسلمان بچے
کو
عید مبارک
میمونہ طیب
میمونہ والا

ہمشیرہ بابر آفریدی

عقابوں کے قبیلے

بلند پرواز سے کترانے والا
ہوائے تند سے گھبرانے والا
مصیبت دیکھ کر ڈر جانے والا

پرندہ ہے مگر وہ
عقابوں کے قبیلے سے نہیں ہے

پلٹ کر جو جھپٹ سکتا نہیں ہو
کبھی میدان میں ڈٹ سکتا نہیں ہو
کوئی بازی پلٹ سکتا نہیں ہو

پرندہ ہے مگر وہ
عقابوں کے قبیلے سے نہیں ہے

جو محلوں میں کرے اپنا بسیرا
نظر آتا نہ ہو جس کو اندھیرا
شب تاریک کو سمجھے سویرا

پرندہ ہے مگر وہ
عقابوں کے قبیلے سے نہیں ہے